ولا تفرقوا

رمّقؔ کاشمیری

اُس اُمّیؐ لقب کی یہ اُمت نہیں
جو آپس میں یوں محوِ پیکار ہے

ہوئی بٹ کے فرقوں میں یہ پارہ پارہ
وہ ''ناجی'' یہ ''پاجی'' وہ ''غدار'' ہے

اِسی کا صِلہ یہ ملا ہے اب اِس کو
یہاں ہے ذلیل اور وہاں خوار ہے

جو ہونا تھا اِس سے، وہی ہو رہا ہے
اِسی اپنے حق کی یہ حقدار ہے

فلک اِس کی حالت پہ نالاں و گریاں
زمیں اِس کے شرّ سے نگوں سار ہے

بایں خوابِ غفلت، بایں ضعف و ذِلّت
سمجھتی ہے مِلّت کہ بیدار ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

طلوع اسلام کے ایک بہی خواہ رمقطراز ہیں:

طلوع اسلام کے متعلق میرا خیال ہے کہ اس کی مقبولیت کم ہوتی جارہی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں حال کی خرابیوں پر تنقید تو ہوتی ہے لیکن کوئی متبادل اسکیم سامنے نہیں رکھی جاتی۔طلوع سلام ہمارا محبوب ترین مجلّہ ہے اور ہم نہیں چاہتے کہ اس کی مقبولیت میں فرق آئے۔لہٰذا آپ اس طرف ضرور توجہ دیں۔

چونکہ اس خط میں طلوع اسلام کے مسلک یا لائحہ عمل کے متعلق ایک اصولی چیز کو سامنے لایا گیا ہے اس لئے ہم نے مناسب سمجھا ہے کہ اس کا جواب نجی طور پر دینے کے بجائے' اسے طلوع اسلام کے صفحات ہی پر پیش کیا جائے تاکہ قارئین طلوع اسلام اس باب میں ہمارے موقف سے مطلع ہو جائیں۔

طلوع اسلام کے متعلق اکثر احباب کی طرف سے یہ شکایت یا مشورہ موصول ہوتا ہے کہ طلوع اسلام کوئی عملی کام نہیں کر رہا۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے کہا یہ جاتا ہے کہ طلوع اسلام کو ایک جماعت بنانی چاہئے جو ملک کی سیاسی سرگرمیوں میں عملاً حصہ لے اور جس مقصد کی طرف طلوع اسلام دعوت دیتا چلا آ رہا ہے اسے عملی طور پر قوم کے سامنے پیش کرے۔اس باب میں ہم اشارۃً اس سے پیشتر بھی کئی مرتبہ اپنا مقصد واضح کر چکے ہیں اور چاہتے ہیں کہ آج کی نشست میں اس کی مزید وضاحت کر دی جائے۔

ہماری ناکامیوں اور تباہ حالیوں کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم بڑے جذباتی ہو چکے ہیں' جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم حقائق کا سامنا کرنے سے گھبراتے ہیں اور کوئی ایسا کام جس میں جذباتی تلاطم خیزیاں اور شور انگیزیاں نہ ہوں ہماری فطرت سیماب آسا کو مطمئن نہیں کر سکتا۔ہم ایک مدت کی جذبات پرستی سے اس کے خوگر ہو چکے ہیں کہ ایک ہنگامہ ہو' ایک جوش ہو' ایک خروش ہو' لچھے دار تقریریں ہوں' فلک بوس نعرے ہوں' سیل انگیز جلوس ہوں' بڑی بڑی انقلاب در آغوش اسکیمیں بنائی جائیں' آسمان الٹ دینے والے منشور شائع کئے جائیں' تہلکہ مچا دینے والے عزائم و مقاصد کا اعلان کیا جائے' اور اگر اس سے بھی کام نہ چلے تو فریق مخالف کو گالیاں دے کر جیل خانہ ہو آئیں۔بس اس کے بعد آپ کے باعمل ہونے میں کوئی کسر باقی نہیں۔یہی معراجِ مقاصد ہے۔یہی منتہائے جہاد ہے اور یہ سب کچھ ایک پارٹی بنا کر کیا جائے۔جماعت سازی اور گروہ بندی کے بغیر آپ باعمل ہونے کا کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکتے۔زندگی کی حرارت کا مقیاس ہی پارٹی بازی ہے۔

یہ ہے ''عمل'' کا وہ تصور جو ایک عرصہ سے قوم کے ذہن میں مرتسم کیا جا رہا ہے اور جس کے ذریعے قوم کے جذبات سے بری طرح کھیلا جا رہا ہے۔ ذرا ٹھنڈے دل سے سوچئے کہ آپ کی گذشتہ تاریخِ سیاست میں کیسے کیسے دلفریب نعرے (Slogans) تھے جن سے قوم کے جذبات کو مشتعل کر کے اسے آگ کے شعلوں میں جھونک اور خون کی ندیوں میں دھکیل دیا گیا۔ ذرا غور کیجئے کہ اس دوران میں آپ کی قوم نے کس قدر جانی اور مالی قربانیاں دیں اور وہ تمام قربانیاں کس بری طرح سے رائیگاں گئیں۔ کتنے افراد ہیں جو ان بے نتیجہ قربانیوں کے ہاتھوں دربدر مارے مارے پھر رہے ہیں۔ کتنے خاندان ہیں جو ان جذباتی شعلہ فشانیوں کے بے معنی ہنگاموں سے تباہ و برباد ہو چکے ہیں۔ کتنے بچے ہیں جن کی نگہ پرداخت کرنے والے ان تلاطم انگیز بے مقصد تحریکوں کی بھینٹ چڑھا دیئے گئے اور ان کا آج کوئی والی اور وارث نہیں۔ کتنے گھر ہیں جن کے چراغ انہی جھکڑوں نے بجھا دیئے اور کتنے در ہیں جنہیں یہی آندھیاں اکھیڑ کر لے گئیں اور ان تمام بربادیوں اور تباہیوں کا ماحصل؟ فضا میں چند الفاظ سے پیدا کردہ وقتی ارتعاش اور سینوں میں چند نعروں سے ابھارا ہوا عارضی تموج۔ سوچئے کہ آپ کی بے شمار تحریکوں اور لاتعداد جماعتوں کے ''جہاد زندگی'' کا ماحاصل اس کے سوا کچھ اور بھی ہے؟ یہ تو یوں کہئے کہ قدرت کو ان چند کروڑ مسلمانوں کو بچانا مقصود تھا جو بساطِ سیاست کی آخری مہرہ بازی جناحؒ جیسے ٹھنڈے دماغ کے ہاتھ لگ گئی جس نے اس مردِ آخر بیں کے فکر صحیحہ کو یوں متشکل کر دکھایا جس کی مغفرت کے لئے عالمگیر کی مسجد جامع کے مینار شب و روز دست بدعا ہیں۔ ورنہ ہماری ہنگامہ خیز محفلوں کی یادگار آج سوائے خاکسترِ پروانہ کے اور کچھ بھی نہ ہوتی۔

طلوع اسلام کو فطرت کی کرم گستری نے یہ سمجھنے کی توفیق ارزانی فرما دی کہ قوموں کے حالات ہنگامہ خیزیوں اور تموج انگیزیوں سے نہیں بدلا کرتے۔ ان کی حالت میں کوئی تبدیلی مستقل طور پر پیدا نہیں ہو سکتی جب تک ان کے قلب و نگاہ میں تبدیلی نہ پیدا ہو' خارجی دنیا میں کوئی انقلاب رونما نہیں ہو سکتا جب تک انسان کی داخلی دنیا میں انقلاب واقعہ نہ ہو جائے' کسی قوم کا معاشرتی نظام صحیح خطوط پر متشکل نہیں ہو سکتا جب تک اس میں تطہیر فکر و نظر نہ ہو جائے' انسان ویسا ہی کرتا ہے جیسا سوچتا ہے۔ لہٰذا جب تک اس کی سوچ کی بنیادیں صحیح نہ ہوں اس کا کردار صحیح قالب میں نہیں ڈھل سکتا۔ اس کے ساتھ ہی یہ حقیقت بھی اس کے سامنے بے نقاب ہو گئی کہ فکر و نظر میں تبدیلی پیدا کرنے کی راہ بڑی صبر آزما اور ہمت شکن ہے۔ اس لئے کہ اس راہ میں بڑی آہستہ خرامی اور نرم روی کی ضرورت ہے۔ اس میں سطح کی تلاطم انگیزیاں نہیں بلکہ عمیق دریا کی غیر محسوس روانیاں ہیں۔ پھر اس راہ میں سب سے بڑی دشواری یہ ہوتی ہے کہ جذبات پرست قوم پیش پا افتادہ مفاد کی طرف لپکنے کی خوگر ہوتی ہے اور قلب و نظر کی تبدیلی کے آثار کئی نسلوں کے بعد جا کر سامنے آیا کرتے ہیں۔ یعنی' غالب کے الفاظ میں' عجلت پسند قوم کی تمنائے حصولِ مقاصد بے تاب' اور دل کی دنیا کا عشق آسا انقلاب' صبر طلب ہوتا ہے۔ اس لئے ہنگاموں کی عادی قوم فکر و نظر کی تبدیلی کی جدوجہد کو ''عمل'' میں شمار ہی نہیں کرتی۔ آپ کو یاد ہو گا کہ حکیم الامت علامہ اقبالؒ کے متعلق' شورش انگیز' ہنگامہ پرور ''راہنمایانِ ملت'' یہ الزام عائد کیا کرتے تھے کہ ''اقبالؔ

ایک بے عمل شاعر ہے''۔ان کے نزدیک عمل سے مفہوم انہی جیسی ہنگامہ آرائیاں تھیں۔یہی لوگ قائداعظم علیہ الرحمتہ کے متعلق بھی یہی طعن دیا کرتے تھے کہ وہ عملی انسان نہیں۔اور عمل سے ان کی مراد ہوتی تھی جیل خانہ کی یاترا کرنا۔لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ وہ ''سراپا عمل''، فصلی طیور، اپنی اپنی بولیاں سنا کر اڑ گئے اور باقی رہنے والے نتائج، انہی ''بے عمل'' انسانوں کے فکر و مساعی سے پیدا ہوئے۔

طلوع اسلام نے اپنے لئے قلب ونگاہ کی تبدیلی کی اسی دشوار گذار راہ کو تجویز واختیار کیا ہے۔وہ جانتا ہے کہ یہ راہ کتنی لمبی اور اس کا سفر کس قدر حوصلہ آزما ہے۔پیش پا افتادہ مفاد کی ایمان شکن جاذبیتیں بھی اس کے سامنے ہیں اور قدم قدم پر اسے دعوت نظارہ دیتی ہیں۔وہ ان مفادات کے سہل الحصول طریقوں کو بھی جانتا ہے اور ان کے غصب ونہب کی راہوں سے بھی واقف ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس نے اپنے لئے وہی طریق تجویز کیا ہے جس میں نہ کوئی عاجلانہ لذت ہے نہ نگاہ فریب کشش۔نہ فوراً مشتعل ہو جانے والے جذبات کی جھوٹی تسکین کا سامان ہے نہ راتوں رات انقلاب برپا کر دینے والی طفلانہ آرزؤں کی فریب دہی کا کوئی نسخہ۔اس کی راہ، ستاروں کی سی خاموش روانیوں کی کہکشاں ہے جو رات کی پرسکوت ومہیب تنہائیوں میں بے بانگ رحیل و بے جرسِ کارواں، چپکے ہی چپکے طول وطویل منازل طے کرتی جاتی ہے، **ھی حتیٰ مطلع الفجر**۔وہ اپنے قارئین کی اس بے تابیٔ تمنا سے بھی خوب واقف ہے جو ایک طرف اس پر یقین رکھتے ہیں کہ طلوع اسلام کی دعوت، حق وصداقت کی دعوت ہے اور دوسری طرف یہ دیکھتے ہیں کہ مسانید اثر واقتدار پر وہ گروہ اور جماعتیں متمکن ہوئی جاتی ہیں جن کے پاس جذبات انگیزی کے سوا اور کچھ نہیں تو اس سے ان کے دل میں ایک تڑپ پیدا ہوتی ہے جو بعض اوقات ان خطوط کی شکل اختیار کر لیتی ہے، جس کے اقتباس سے لمعات پیش نظر کی ابتدا ہوئی ہے۔ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ جب یہ کہتے ہیں کہ طلوع اسلام کوئی متبادل اسکیم نہیں پیش کرتا تو ان کی اس سے مراد کیا ہوتی ہے! طلوع اسلام نے آج تک کوئی تنقید ایسی نہیں کی کہ جس کی تصحیح کا پہلو بھی وہ سامنے نہ لے آیا ہو۔اس نے کبھی کوئی منفیانہ گوشہ ایسا نہیں پیش کیا جس کا مثبت گوشہ بھی ساتھ ہی اجاگر نہ کر دیا ہو۔وہ جانتا ہے کہ خلاء، فطرت کے خلاف ہے۔اس لئے جب وہ کسی غلط چیز کو ہٹانے کی دعوت دیتا ہے تو اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیتا ہے کہ اس کی جگہ کونسی صحیح چیز رکھنی چاہئے۔لہٰذا طلوع اسلام جب کبھی لا الہ کہتا ہے تو اس کے ساتھ ہی الا اللہ بھی پکارتا ہے۔اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ

لا والا ساز و برگِ اُمتاں
نفی بے اثبات مرگِ اُمتاں

اس لئے وہ تخریب بلاتعمیر کا نقشہ کس طرح سامنے رکھ سکتا ہے۔لہٰذا طلوعِ اسلام کے جو بہی خواہ یہ شکایت کرتے ہیں کہ وہ تنقید کے ساتھ متبادل اسکیم نہیں پیش کرتا تو متبادل اسکیم سے ان کی مراد ایسی اسکیم ہوتی ہے جو زمامِ اقتدار واختیار کو غلط ہاتھوں سے فوراً چھین لے۔اگر متبادل اسکیم سے ان کی یہی مراد ہے تو وہ معاف رکھیں! طلوع اسلام ایسی متبادل اسکیم پیش کرنے سے قاصر ہے۔اس کو تو

وہ پیش پا افتادہ مفاد کی چھین جھپٹ قرار دیتا ہے جس نے قوم کو اس درجہ سطحی جذبات کا پیکر اور ہماری تمام تحریکات کو بے نتیجہ بنا رکھا ہے۔ طلوع اسلام ایسی ''متبادل اسکیم'' دیتا ہے جس سے قوم کی نگاہوں میں وہ تبدیلی پیدا ہو جائے کہ وہ زمامِ اقتدار و اختیار کسی غلط ہاتھ میں جانے ہی نہ دے۔ طلوع اسلام سے ایسی محکم اسکیم کی تمنا رکھئے' ویسی عاجلانہ اسکیم کی نہیں۔

قلندریم و کراماتِ ما جہاں بینی ست
زما نگاہ طلب' کیمیا چہ می جوئی؟

اور یہی وجہ ہے کہ طلوعِ اسلام نے آج تک کوئی جماعت نہیں بنائی حالانکہ اس کے لئے احباب کی ''بیتابیٔ تمنا'' بار بار اصرار کر رہی ہے لیکن وہ اس طریقِ جماعت سازی کے بھی خلاف ہے اور اسے محض عاجلانہ مفاد پرستی کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ یہ جماعتیں کس طرح بنتی ہیں؟ کچھ لوگ اکٹھے ہو کر ایک پارٹی کا اعلان کرتے ہیں اور اس کے اغراض و مقاصد کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں۔ دوسروں کے ہاں سے فریب خوردہ افراد' اس نئی آواز میں پناہ ڈھونڈتے اور جماعت اول سے اپنی فریب خوردگی کے انتقام کا سامان مضمر سمجھتے ہیں۔ لہٰذا ان کی دعوت پر لبیک کہہ دیتے ہیں۔ یوں یہ جماعت وجود میں آ جاتی ہے۔ اس کے بعد جماعتی عصبیت سے ان افراد میں سیمنٹ کا کام لیا جاتا ہے' یعنی ان کے دل میں اپنی جماعت کے برسرِ حق ہونے اور دوسری جماعتوں کے باطل پر اکٹھا ہونے کا ایمان کوٹ کوٹ کر بھرا جاتا ہے۔ یہی ہے وہ جماعتی عصبیت جسے قرآن **کل حزب بما لدیھم فرحون** کی عمیق نفسیاتی کیفیت سے تعبیر کرتا ہے۔ یعنی ہر جماعت اس عقیدہ میں مگن ہوتی ہے کہ وہی برسرِ حق ہے۔ اس طرح باہمی نفرت سے قوم ٹکڑوں میں بٹ جاتی ہے۔ یہی وہ فرقہ پرستی اور جماعت سازی ہے جسے قرآن کھلے لفظوں میں شرک* (***ولا تکونوا من المشرکین من الذین فرقوا دینھم و کانوا شیعا کل حزب بما لدیھم فرحون**۔ (۳۰/۳۳)۔ مسلمانو! دیکھنا کہیں (اسلام لانے کے بعد پھر سے) مشرک نہ بن جانا۔ یعنی ان لوگوں میں سے نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے دین میں پارٹیاں (فرقے) بنا لیں اور پھر خود بھی ایک پارٹی بن گئے اور ان کی کیفیت یہ ہوگئی کہ ہر پارٹی مگن ہو کر بیٹھ گئی کہ ہم حق پر ہیں اور باقی سب باطل پر۔) قرار دیتا ہے اور خدا کا عذاب کہہ کر پکارتا ہے *۔ (***قل ھوا القادر علیٰ ان یبعث علیکم عذابا من فوقکم اومن تحت ارجلکم او یلبسکم شیعا و یذیق بعضکم بأس بعض** (۶/۶۵)۔ کہو کہ خدا اس پر قادر ہے کہ تم پر اوپر سے عذاب بھیجے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے۔ یا تمہیں پارٹیوں میں بانٹ دے اور اس طرح تم ایک دوسرے سے لڑائی کا مزہ چکھو۔) پہلے زمانہ میں یہی گروہ بندی مذہبی فرقوں کے نام سے متعارف ہوتی تھی۔ اس دورِ سیاست میں یہ فرقہ بندی سیاسی جماعتوں کے پیرہن میں پائے کوب ہوتی ہے۔ روح وہی پرانی ہے' فقط نقاب نئے ہیں۔

کہا جائے گا کہ خود خدا بھی مسلمانوں کو حزب اللہ (خدا کی جماعت) قرار دیتا ہے۔ اس لئے ہر جماعت شرک کا مظہر اور عذابِ خداوندی کا پیکر نہیں ہو سکتی۔ لیکن یہ کہتے وقت اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ خدا ملتِ اسلامیہ کو' غیر مسلموں کے مقابلہ میں حزب اللہ کہتا ہے اور دوسروں کو حزب الشیطان۔ یعنی حزب اللہ' پوری کی پوری ملت ہے نہ کہ ملت کے اندر ایک گروہ۔

پھر یہ کہا جائے گا کہ آج جس حالت میں مسلمان ہے جب انہیں اس حالت سے نکال کر صحیح اسلامی حالت تک لے جایا

جائے گا تو اس کے لئے بہر حال کسی نہ کسی جماعت کی ضرورت ہوگی۔ جماعتی رنگ کے بغیر آپ کام کیسے کریں گے؟ سو پہلے تو یہ دیکھ لیجئے کہ قرآن نے جب فرقہ بندی اور پارٹی بازی کو شرک اور عذابِ خداوندی قرار دیا ہے تو اس میں ایسے حالات میں بھی کسی استثنیٰ کا ذکر نہیں۔ اس کے بعد پھر وہی چیز سامنے آئے گی کہ مسلمانوں کی اصلاح کا کام کیسے کیا جائے؟ تو سوال یہ ہے کہ کیا جماعت سازی کے بغیر اصلاح کے کام کی کوئی شکل نہیں نکل سکتی؟ کیا طلوع اسلام نے اپنی ہندوستان کی چار سالہ زندگی اور پھر اس کے بعد پاکستان کی نشأۃِ ثانیہ میں جماعت سازی کے بغیر کوئی کام نہیں کیا؟ ضرورت ہے صرف کام کرنے والوں کی۔ یہ رفقائے کار اپنے اندر' تقسیم عمل کے طریق پر' نظم وضبط پیدا کریں گے اور ایک طے کردہ پروگرام کے ماتحت کام کرنا شروع کر دیں گے۔ ان کی دعوت یہ نہیں ہوگی کہ ہماری ''جماعت'' میں شامل ہو جاؤ۔ یہ اپنے آپ کو کسی پارٹی کے ساتھ منسوب کئے بغیر' مسلمانوں کے فکر ونظر میں تبدیلی کی کوشش کریں گے۔ یہ انہیں مذہب کے غلط تصور کی بجائے' دین کا صحیح تصور دیں گے۔ ان کی حیثیت معلمین کی ہوگی نہ کہ کسی پارٹی کے داعیان کی۔ اس وقت بھی حلقہ طلوع اسلام میں ایسے لوگ موجود ہیں جو طلوع اسلام کی پیش کردہ تعلیم کو اپنے اپنے دائرہ عمل واثر میں نہایت خاموشی سے پھیلاتے رہتے ہیں اور' دوسرے تو ایک طرف' خود ادارۂ طلوع اسلام کو بھی ان کی اس تبلیغ وتنشیر کا علم نہیں ہوتا' وہ کسی جماعت کے رکن نہیں' کسی پارٹی کے ممبر نہیں۔ لیکن اس کے باوجود' وہ اپنے دائرہ میں رجعت الی القرآن کی اس دعوت کو عام کرتے رہتے ہیں جس کا نقیب طلوع اسلام ہے۔ طلوع اسلام کو اپنے ان خاموش' گمنام اور غیر متعارف' مبلغین پر ناز ہے کہ اس کا مقصود اس قسم کے لوگ پیدا کرنا ہے جو ہنگامہ آرائیوں سے الگ ہٹ کر چپکے ہی چپکے دوسروں کے قلب ونگاہ میں وہی تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش کریں جو ان کی نگاہ میں پیدا ہو چکی ہے۔ انہی غیر متعارف مبلغین میں سے اکثر ادارۂ طلوع اسلام کے ساتھ اپنا ربط قائم رکھتے ہیں۔ وہ ادارہ سے ان مشکلات کا حل دریافت کرتے ہیں جو انہیں اپنی اس تبلیغ کی راہ میں پیش آتی ہیں۔ وہ ان استفسارات کا جواب پوچھتے ہیں جو ان سے دوران تبلیغ میں کئے جاتے ہیں اور جن کے جواب میں انہیں دقت پیش آتی ہے۔ وہ اپنے مشوروں سے ادارہ کو مستفید کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح قرآن کے طالب علموں کا یہ ایک خاموش سا حلقہ دن بدن وسیع ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اس حلقہ کا کوئی نام نہیں' یہ کسی پارٹی کے ممبر نہیں۔ ان کے سامنے کوئی پیش پا افتادہ مفاد نہیں۔ یہ اپنی کوششوں کے اَن دیکھے نتائج پر ایمان رکھتے ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ وہ جس ذہنی اور قلبی انقلاب کے لئے کوشاں ہیں اس کے سوا ملت کے مرضِ کہن کا کچھ اور چارہ نہیں۔ اس وقت اس انقلاب کے کوئی محسوس اور نمایاں آثار ان کے سامنے نہیں اور ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی پوری عمر اس جدوجہد میں صرف کر دیں اور یہ انقلاب محسوس صورت میں ان کے سامنے نتیجہ خیز نہ ہو۔ لیکن وہ اس کے باوجود نہایت استقلال و استقامت سے اپنی کوششوں میں منہمک ہیں۔ اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ اس قسم کی بنیادی تبدیلیاں ایک دن میں رونما نہیں ہو جایا کرتیں۔ یہ وہ تبدیلیاں ہیں جن کے متعلق اور تو اور خود ذات رسالتمآب ﷺ سے کہہ دیا گیا تھا کہ ہو سکتا ہے کہ ان کے محسوس نتائج حضور ﷺ کے بعد ظہور پذیر ہوں۔ اس لئے کہ اس جدوجہد میں کسی ایک فرد' یا افراد کی اپنی زندگی کا سوال ہی نہیں۔ سوال تو پوری کی

پوری قوم میں انقلاب پیدا کرنے کا ہے اور اس کے بعد' تمام نوعِ انسانی میں انقلاب پیدا کرنے کا۔ یہ ایک نسل کی جدوجہد میں پیدا ہو جائے یا اس کے لئے دس نسلوں کی مسلسل جدوجہد کی ضرورت پیش آئے۔ مدت کا اس میں کوئی سوال نہیں۔ اگر اسی قسم کے انقلاب کی کوشش سو سال پہلے شروع ہوتی تو آج جو کچھ ہم دیکھنا چاہتے ہیں ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتا۔ اگر یہ کوشش اس سے پہلے شروع نہیں ہوئی تو اسے آج شروع کر دینا چاہئے تاکہ آج نہیں' تو کل' کسی نہ کسی وقت یہ انقلاب ظہور پذیر ہو جائے۔ لیکن اگر آپ مدت کی طوالت سے گھبرا کر' پھر عاجلانہ طریقِ کار کی طرف لپک پڑے تو یہ انقلاب پھر ویسے کا ویسا رہ جائے گا۔ یہ عاجلانہ طریق کار' سر درد کے لئے اسپرین کی ٹکیہ ہے۔ سر درد ایک منٹ میں غائب ہو جائے گا لیکن جب اسپرین کا اثر زائل ہو گا تو پھر پہلے سے بھی دگنی شدت کے ساتھ ابھرے گا اور اگر آپ اسے ہر بار اسی طرح اسپرین کے عاجلانہ علاج سے دباتے رہے تو ممکن ہے ایک دن آپ کو درد کی جگہ سر سے ہی جواب مل جائے۔ مسلمان جذبات پرستی کی اسپرین سے علاج کا خوگر ہو رہا ہے' یہ عاجلانہ فائدہ چاہتا ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ ایک منٹ میں سر درد غائب ہو جائے۔ لیکن ایک طبیب حاذق کی نگاہ عاجلانہ فائدہ پر نہیں بلکہ مزمن مرض کی علت کی اصلاح پر ہوتی ہے اور وہ اصلاح وقت بھی چاہتی ہے اور علاج میں استقامت بھی۔ اس میں ایک سر درد کے علاوہ اور دردسری بھی برداشت کرنی پڑے گی۔ لیکن جب آرام آئے گا تو ہمیشہ کے لئے مرض جاتا رہے گا۔ طلوع اسلام' اسپرین کی ٹکیہ نہیں دیتا۔ یہ اسی حاذقانہ انداز سے علاج کرنا چاہتا ہے جس طریق سے اس سے پہلے ایک مرتبہ علاج ہو چکا ہے اور اس علاج کے نتائج دنیا دیکھ چکی ہے۔

وہی دیرینہ بیماری' وہی نامحکمی دل کی
علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی!

یہ ہے طلوع اسلام کا مقصود و منتہیٰ اور یہ ہے اس مقصد کے حصول کے لئے اس کا طریق کار۔ جو اس طریق کار کی افادیت اور خیریت انجام پر یقین رکھتا ہے وہ اس کا ساتھ دے۔ لیکن جو اسی جدوجہد کا کامیاب تصور کرے جس میں عاجلانہ مفاد کو سمیٹا جا سکے' اسے کوئی اور ساتھی تلاش کرنا چاہئے کہ اس کے لئے اس طریق کار میں محنت و مشقت کے سوا کچھ نہیں۔ **من یقول ربنا اتنا فی الدنیا و ماله فی الاخرة من خلاق** (۲/۲۰۱) ''جو شخص محض پیش پا افتادہ قریبی مفاد چاہتا ہے (اسے وہ مفاد تو مل جاتے ہیں۔ **نؤته منها** ۔۳/۱۴۴) لیکن اس کا مستقبل کے مفاد میں کوئی حصہ نہیں ہو سکتا۔'' اب یہ آپ کے اختیار میں ہے کہ ان دونوں راہوں میں سے جونسی راہ پسند کریں اپنے لئے تجویز کر لیں۔ طلوع اسلام اپنے لئے ایک راہ تجویز کر چکا ہے اور اسے اس راہ کے صراط مستقیم ہونے پر یقین ہے۔

کہہ دیا جائے گا کہ آپ قلب و نگاہ کی تبدیلی کی فکر کرتے رہئے اور اتنے میں بے زمام قوتیں ایسا استحکام حاصل کر جائیں گی کہ پھر ان کے پاؤں اکھیڑنا ممکن نہیں رہے گا۔ لیکن یہ کہنے والے بھول جاتے ہیں کہ نہ ہم جناب صاحب ضرب کلیمؑ اور حضور نبی

اکرم ﷺ سے بڑھ کر داعیٔ انقلاب ہیں اور نہ ہی یہ سرکش قوتیں، فرعون اور ابوجہل سے زیادہ محکم گیر ہیں۔ حضرت موسیٰؑ چالیس برس تک قوم کے قلب و نگاہ کی صحیح تربیت میں مصروف تگ و تاز رہے اور بنی اسرائیل ارض موعود پر ان کی وفات کے بعد قدم رکھ سکے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کامل تیرہ برس تک نہایت سکون و استقامت سے اپنے پیغام کی خاموش تبلیغ میں منہمک رہے اور اس دوران میں سرکش قویٰ کی طرف سے آپ صعوبات کو بڑی ہمت اور استقلال سے برداشت کرتے رہے۔ جب انہیں بھی بیج سے کھیتی پکنے تک کا عرصہ انتظار میں گذارنا پڑا تو ہم کس طرح دانہ بوتے ہی فصل کاٹ سکتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے اعتراضات اس بیتابیٔ تمنا یا مفاد عاجلہ کے مظاہر ہیں جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ پھر اسے بھی سمجھ رکھئے کہ جمہور کی نگاہ کی تبدیلی سے اتنا بڑا تند و تیز سیلاب اٹھا کرتا ہے کہ بڑی سے بڑی زمین گیر قوتیں اس کے سامنے خس و خاشاک کی طرح بہہ جایا کرتی ہیں۔ سرکش قوتوں کی یہ محکمیت اسی وقت تک عمیق و شدید دکھائی دیتی ہے جب تک ہم میں ناپختگی ہے۔ داعیانِ انقلاب کے قلب و نگاہ کی پختگی اور محکمی کے آگے یہ قوتیں پرکاہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔ لہٰذا صحیح راہِ عمل یہی ہے کہ نہایت استقامت اور سکون سے قلب و نگاہ کی تبدیلی کے لئے سعیٔ پیہم میں مصروف رہئے اور جب یہ تبدیلی پختگی تک پہنچ جائے تو باطل کی قوتوں کو ایک ہی جھٹکے سے الگ کر دیجئے۔

بانشۂ درویشی، در ساز و دمادم زن
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن

یہ ہے طلوع اسلام کا مقصد و طریق کار۔ اگر آپ میں اس سے زیادہ کام کرنے کی ہمت ہے تو ایک قدم اور آگے بڑھئے اور وہ قدم یہ ہے کہ تمام کام چھوڑ کر ملک کے طول و عرض میں درسگاہوں کا ایک ایسا سلسلہ قائم کیجئے جن میں ابتدا سے انتہا تک اس نہج کی تعلیم دی جائے جس کی تبلیغ طلوع اسلام کے صفحات پر ہوتی ہے، یعنی خالص قرآن کی روشنی میں تمام علومِ جدیدہ کی تعلیم۔ اگر آپ نے یہ کر دیا تو تبدیلیٔ قلب و نگاہ کا وہ عرصہ جس کی درازی آپ کو شبِ ہجر کی طرح ڈرا رہی ہے، سمٹ کر بیس پچیس سال میں ختم ہو جائے گا۔ جونہی آپ کے بچوں کا پہلا گروہ ان درسگاہوں سے فارغ ہو کر نکلا، ساری زمین پر چلتا پھرتا انقلاب نظر آ جائے گا۔ اس کے بعد دیکھئے کہ اس خطۂ ارض کی تقدیر کس طرح سے بدل جاتی ہے۔ اگر قوم میں سرسید مرحوم کی سی ہمت والے لوگ موجود ہیں تو وہ کسی ایک جگہ سر جوڑ کر بیٹھیں اور سارے ملک میں اس قسم کی آزاد درسگاہوں کا جال بچھا دیں۔ اگر آپ نے ہمت کر کے اس خطۂ زمین کو بیس پچیس سال تک اغیار کی نظرِ بد سے بچا لیا اور ادھر درسگاہوں سے وہ شاہیں بچے نئے بال و پر لے کر نکل آئے تو پھر آپ آسمان سے سینہ تان کر کہہ سکیں گے کہ

دیدہ آغازم! انجامم نگر!!

اور اگر آپ یہ نہیں کرنا چاہتے تو پھر ان مقدس مداریوں کے ہاتھوں میں کھیلتے رہئے جو اپنے جھولے میں سب کچھ رکھنے کے دعویدار بھی ہیں اور رات کی روٹی کے لئے آپ کی بھیک کے محتاج بھی۔

ولا تفرقوا

رمّقؔ کاشمیری

اُس اُمّیؐ لقب کی یہ اُمت نہیں
جو آپس میں یوں محوِ پیکار ہے

ہوئی بٹ کے فرقوں میں یہ پارہ پارہ
وہ ''ناجی'' یہ ''پاجی'' وہ ''غدار'' ہے

اِسی کا صِلہ یہ ملا ہے اب اِس کو
یہاں ہے ذلیل اور وہاں خوار ہے

جو ہونا تھا اِس سے، وہی ہو رہا ہے
اِسی اپنے حق کی یہ حقدار ہے

فلک اِس کی حالت پہ نالاں و گریاں
زمیں اِس کے شرّ سے نگوں سار ہے

بایں خوابِ غفلت، بایں ضعف و ذِلّت
سمجھتی ہے مِلّت کہ بیدار ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ملّتِ اسلامیہ کا مقنّنِ اعظم

امام ابوحنیفہؒ

تاریخ شہادت دے رہی ہے کہ ابتدائے آفرینش سے نوع انسانی کی رشد و ہدایت کے لئے نبوت اور نزول وحی کا سلسلہ برابر جاری رہا اور بالآخر حضور رسالتمآب ﷺ کی ذات اقدس و اعظم کے ساتھ یہ سلسلہ حاصلِ تکمیل کو پہنچ گیا۔ قیامت تک کے لئے نوعِ انسانی کو اپنے نظامِ معاشرہ کے لئے جن اصول و اقدار کی ضرورت تھی وہ قرآن کریم کی دفتین میں محفوظ کر دیئے گئے اور ان کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لے لیا۔ نوع انسانی کی ہدایت اور راہ نمائی کے سلسلے میں اس عظیم ترین خدائی فیصلے کے بعد امت مسلمہ کا فریضہ یہ تھا کہ وہ ان اصول و اقدار کی غیر متبدل اور محکم اساس پر، زمانہ بہ زمانہ حالات کے تقاضوں کے پیش نظر، نظام معاشرہ کی جزئیات طے کرتی ہوئی زندگی کی شاہراہوں پر حفظ و امن سے آگے بڑھتی چلی جائے۔ دینِ خداوندی کا یہی وہ منشا و مقصود تھا جس کی عملی تشکیل حضور نبی اکرم ﷺ والذینؓ معہٗ کے مقدس ہاتھوں سے ہوئی۔ حضور ﷺ نے اپنے دور کی ضرورتوں کے مطابق دین خداوندی کو محسوس پیکروں کی صورت دی اور اس نظام کی جزئیات مرتب فرمائیں۔ اور جب آپ ﷺ اس دنیا سے رخصت ہو گئے تو آپ کے جلیل القدرؓ جانشینوں نے اس نظام کو احسن انداز سے آگے بڑھایا۔ حالات کی تبدیلیوں کے ساتھ جو نئے نئے تقاضے ابھر کر سامنے آئے ان کے پیش نظر جہاں جزئیات دین میں تبدیلیوں کی ضرورت پیش آئی وہاں ان میں تبدیلی بھی کی گئی۔ اور جہاں ایسی تبدیلی کی ضرورت پیدا نہ ہوئی وہاں پہلے سے طے شدہ جزئیات کو علیٰ حالہٖ قائم رکھا گیا۔ یہ سب نظائر اور تبدیلیاں ہماری تاریخ دین کے اوراق میں آج بھی جگمگاتی دکھائی دے رہی ہیں اور بتا رہی ہیں کہ ثبات و تغیر کا یہی وہ حسین امتزاج تھا جس کے سہارے ہمارا کارواں کامرانیوں اور شادمانیوں کے جلو میں زندگی کی ارتقائی منزلوں پر قدم بڑھاتا گیا۔ اور جب تک یہ صورت قائم رہی اسلام کی جہانگیری اور عالم آرائی کا سلسلہ ترقی پذیر رہا۔

لیکن ابھی نصف صدی پوری نہ ہونے پائی تھی کہ خلافت، ملوکیت میں تبدیل ہو گئی اور اس کے بعد اسلام کی گاڑی جس نئی پٹڑی پر ڈال دی گئی اور دینِ خداوندی کا نقشہ جس انداز سے بدلا گیا اس کی داستانِ غم ہماری تاریخ کا سب سے المناک باب ہے۔ ملوکیت خدا کے دین میں ایک شجر ممنوعہ اور شرفِ انسانی کے لئے ایک جذام کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کا سب سے گھناؤنا کردار یہ تھا (اور ہمیشہ یہی رہا ہے) کہ

سیاسی امور و اختیارات حکمرانوں نے اپنے ہاتھوں میں لے لئے اور مذہبی معاملات پیشوائیت کے سپرد کر دیئے۔ یہ بعینہٖ عیسائیت کے ''قیصر اور کلیسا'' کا سا گٹھ جوڑ تھا جس نے دینِ خداوندی کی نا قابل تقسیم وحدت کو مذہب اور سیاست کی ثنویت میں بدل دیا۔ یہ حکمران اب بھی خلافت کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھے اور صدیقِ اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کی طرح خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین کے القاب اختیار کئے ہوئے۔ لیکن وہ وحدت دین جو ثبات وتغیر کی ہم آویزی سے دین کے نشو وارتقا کی ضامن تھی زیر و زبر ہو کر رہ گئی۔ سیاست کے سلاطین کے ہاتھوں میں منتقل ہو جانے کے بعد زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق' اسلامی اصولوں کی روشنی میں قوانین مرتب کرنے کا اہم فریضہ انفرادی کوششوں کے سپرد ہو گیا۔ انہی کوششوں کا نام اجتہاد ہے اور ہمارے اسلاف میں جن برگزیدہ شخصیتوں نے اس سلسلے میں کدو کاوش کی وہ امت کے امام۔ فقہا اور مجتہدین کہلائے۔

فقہا و محدثین کے اس گروہ میں جو امت میں عقیدت اور احترام کا ایک مخصوص مقام رکھتا ہے' امام ابوحنیفہ علیہ الرحمتہ کا اسم گرامی سرفہرست نظر آتا ہے۔ اور ان کے اجتہاد کو امت میں صدیوں سے جو امتیازی حیثیت حاصل ہے اسے سامنے رکھتے ہوئے اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ امام موصوف کو ملت اسلامیہ کے عظیم مقنن کا مقام و منصب حاصل ہے۔ ان کی عظمت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ وہ عباسی سلطنت کے زیر عتاب تھے اور جیل خانے کی کوٹھڑی میں جان دی لیکن جب ان کا جنازہ اٹھا تو پچاس ہزار سے زیادہ مسلمان اس جنازہ کے ساتھ تھے۔ بغداد کے قاضی شہر حسن بن عمارہ نے انہیں غسل دیا۔ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور وہ یہ کہتے جا رہے تھے کہ:

''واللہ! تم سب سے بڑے فقیہہ۔ بڑے عابد۔ بڑے زاہد تھے۔ تم میں تمام خوبیاں موجود تھیں۔ تم نے اپنے جانشینوں کو اس سے مایوس کر دیا کہ وہ تمہارے مرتبہ کو پہنچ سکیں۔''

حضرت عبداللہ ابن المبارک جیسی اس دور کی عظیم مذہبی شخصیت نے ان کے مزار پر کھڑے ہو کر با دیدۂ تر کہا:

''ابوحنیفہ! خدا تم پر رحم کرے۔ ابراہیم مرے تو اپنا جانشین چھوڑ گئے۔ افسوس کہ تم نے پوری دنیا میں کوئی جانشین نہ چھوڑا۔''

ان کی عظمت پر فضل بن عیاض' جعفر بن ربیع۔ ملیح بن دکیع' ابن جریج اور امام مالک (رحمھم اللہ) جیسی شخصیتوں نے خراج تحسین پیش کیا ہے۔ امام مالکؒ نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ:

''اگر وہ (امام ابوحنیفہؒ) اپنے قیاس سے مسجد کے ان ستونوں کو لکڑی کا ثابت کرنا چاہیں تو تم یقین کر لو کہ یہ واقعی لکڑی کے ہیں۔''

امام ابوحنیفہؒ کی عظمت کا سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ انہوں نے فقہ اسلامی کی باضابطہ ترتیب وتدوین کی سب سے پہلی اور مؤثر کوشش کی اور اسی بنا پر انہیں ''امام اعظم'' کے عظیم القدر خطاب سے نوازا گیا۔ اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ ان کی فقہ کا مدار قیاس پر تھا اور قیاس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن کریم کے اصولوں کی روشنی میں اپنے اجتہاد سے دین کی

جزئیات مرتب کی جائیں اور جو لوگ فقہ اسلامی اور اس کی تاریخ کا علم رکھتے ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ امام اعظمؒ نے فقہ کی اس عظیم الشان ترتیب میں احادیث سے بہت کم مدد لی۔ اس کی وجہ یہ قطعاً نہ تھی کہ امام موصوف کو احادیث نہیں مل سکتی تھیں یا انہیں علم حدیث پر عبور حاصل نہیں تھا۔ اگرچہ ان کے مخالفین نے ان پر یہ الزام عائد کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ احادیث کے معاملہ میں بے بہرہ تھے لیکن یہ الزام افسوسناک مخالفت کا شاخسانہ تھا اور اس کی تردید کرتے ہوئے شمس الائمہ سرخسیؒ نے لکھا تھا کہ:

''امام ابوحنیفہؒ کی قلتِ روایت کی بنا پر بعض مخالفین نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ وہ حدیث سے واقف ہی نہیں تھے۔ حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے۔ وہ تو اپنے زمانے کے حدیث کے سب سے بڑے عالم تھے لیکن کمالِ ضبط کی شرط ملحوظ رکھتے ہوئے روایت سے بہت کم کام لیتے تھے۔''

(کشف الاسرار۔جلد دوم۔ص718)

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ امام موصوف کی قلتِ روایت کی وجہ تھی کہ اس زمانے میں ابھی احادیث کے مجموعے مرتب نہیں ہوئے تھے۔ علامہ اقبالؒ نے اس دلیل کو بھی غلط قرار دیا ہے۔ چنانچہ اپنے خطبات میں انہوں نے اس پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

''یہ کہا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے تدوینِ فقہ میں احادیث سے اس لئے کام نہیں لیا کہ ان کے زمانے میں احادیث کے کوئی باضابطہ مجموعے مرتب نہیں ہوئے تھے۔ اول تو یہ کہنا ہی درست نہیں کہ ان کے زمانے میں احادیث کے مجموعے موجود نہیں تھے۔ امام مالک اور زہری کے مجموعے ان کی وفات سے قریب 30 سال پہلے مرتب ہو چکے تھے لیکن اگر یہ فرض کر بھی لیا جائے کہ یہ مجموعے امام صاحب تک نہیں پہنچ پائے تھے یا ان میں قانونی حیثیت کی احادیث موجود نہیں تھیں تو اگر امام صاحب اس کی ضرورت سمجھتے تو وہ احادیث کا اپنا مجموعہ مرتب فرما سکتے تھے۔ جیسا کہ امام مالکؒ اور ان کے بعد امام احمد بن حنبلؒ نے کیا تھا۔ ان حالات کی روشنی میں، میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان احادیث کے متعلق جن کی حیثیت قانونی ہے امام ابوحنیفہؒ کا یہ طرزِ عمل بالکل معقول اور مناسب تھا اور اگر آج کوئی وسیع النظر مقنن یہ کہتا ہے کہ احادیث ہمارے لئے من وعن شریعت کے احکام نہیں بن سکتیں تو اس کا یہ طرزِ عمل امام ابوحنیفہؒ کے طرزِ عمل کے ہم آہنگ ہوگا جن کا شمار فقہ حنفی کے بلند ترین مقننین میں ہوتا ہے۔''

(خطبات اقبال۔ص 164-163)

خود علامۂ محدث امام ذہبیؒ نے اپنی کتاب ''حفاظِ حدیث'' اور حافظ ابوالمحاسن دمشقی الشافعی نے اپنی تصنیف ''عقود الجمان'' میں امام اعظمؒ کو بہت بڑا ماہر علم حدیث قرار دیا ہے۔ علامہ ابن خلدون ''فصل علوم الحدیث'' میں لکھتے ہیں:

''فنِ حدیث میں امام ابوحنیفہؒ کا کبار مجتہدین میں شمار اس سے ثابت ہے کہ ان کا مذہب محدثین میں معتبر خیال کیا جاتا ہے۔''

ابن خلدون نے امام اعظمؒ کے عام روایات کو نظر انداز کرنے

کے مسلک کا سبب بھی بیان کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ:

''والامام ابو حنیفہ انما قلت روایۃ لما شدد فی شروط الروایۃ والتحمل۔

یعنی امام ابوحنیفہ کی روایات اس لئے کم ہیں کہ انہوں نے روایت اور تحمل کی شروط میں سختی اختیار کی۔۔۔''

اصل وجہ یہ تھی کہ امام اعظمؒ حدیث کو وحی الٰہی کی طرح نہ تو غیر متبدل سمجھتے تھے اور نہ ہی شک و شبہ سے بالاتر۔ ان کے نزدیک دین خداوندی کی بنیاد یقینیات پر تھی اور احادیث کو یقینیات کا درجہ حاصل نہیں۔ وہ کتاب اللہ کی روشنی میں اپنے اجتہاد اور اہل الرائے کے مشورے سے فقہ کی تدوین کرتے تھے اور اگر کوئی یہ اعتراض کرتا کہ آپ کا یہ فیصلہ رسولؐ اللہ کی فلاں حدیث کے خلاف ہے تو اس کے جواب میں وہ یہی کہتے جو حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ کا وہ فیصلہ اس زمانے کے لئے تھا اور اس دور کے حالات کے مطابق تھا۔ اب حالات بدل چکے ہیں اور اسی تبدیلی کی بنا پر فیصلے میں بھی تبدیلی ضروری ہے۔ یا وہ حضرت عائشہؓ اور دیگر صحابہ کبارؓ کے اتباع میں یہ کہتے کہ کیا معلوم رسولؐ اللہ نے کیا فرمایا تھا اور سننے والے نے اسے کیا سمجھا؟ ہم کتاب اللہ کی موجودگی میں غیر یقینی چیزوں کو دین کا حصہ نہیں قرار دے سکتے۔ چونکہ وہ اس حقیقت کو واضح اور نمایاں کرنا ضروری سمجھتے تھے کہ احادیث رسول اللہ ﷺ نہ تو یقینی ہیں اور نہ غیر متبدل، اس لئے احادیث کے رد میں وہ بعض اوقات شدت بھی اختیار کر لیتے تھے۔ ابو صالح فراء کہتے ہیں کہ میں نے یوسف بن اسباط کو یہ کہتے سنا کہ ''امام ابوحنیفہؒ نے رسول اللہ ﷺ کی چار سو بلکہ چار سو سے بھی زیادہ حدیثوں کو رد کر دیا ہے۔'' ابو سائب کہتے ہیں کہ میں نے حدیث کے مشہور عالم امام وکیع کو یہ کہتے سنا کہ ''ہم نے ابوحنیفہؒ کو دو سو حدیثوں کی مخالفت کرتے ہوئے پایا۔'' عبدالاعلیٰ بن حماد اپنے والد حماد بن سلمہ سے نقل کرتے ہیں کہ ''ابوحنیفہؒ کے سامنے رسولؐ اللہ کی حدیثیں آتی تھیں مگر وہ اپنی رائے سے انہیں رد کر دیا کرتے تھے۔'' امام احمد بن حنبلؒ نے بھی مؤمل کے واسطے سے حماد بن سلمہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

(تاریخ خطیب، جلد نمبر 13، ص 93-91)

ابواسحٰق فزاری کہتے ہیں کہ میں ابوحنیفہؒ کے پاس جا کر مسائل جہاد کے متعلق سوال کیا کرتا تھا۔ ایک دن میں نے ان سے ایک مسئلہ پوچھا۔ ابوحنیفہ نے اس کا جواب دیا۔ اس پر میں نے کہا کہ اس بارے میں رسولؐ اللہ کا ارشاد تو اس طرح ہے۔ ابوحنیفہؒ نے کہا ''ہمیں اس سے معاف رکھو۔'' علی ابن عاصم کہتے ہیں کہ ہم نے ابوحنیفہؒ کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث سنائی تو ابوحنیفہ نے کہا کہ ''میں اسے قبول نہیں کر سکتا۔'' میں نے کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔ ابوحنیفہ نے پھر کہا ''ہاں ہاں میں اسے قبول نہیں کرتا۔''

(تاریخ خطیب، جلد نمبر 13، ص 387)

یحییٰ بن آدم کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ کے سامنے یہ حدیث نقل کی گئی کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے ''وضو آدھا ایمان ہے'' ابوحنیفہ کہنے لگے۔ ''پھر تو دو وضو کر ڈالو تا کہ تمہارا ایمان مکمل ہو جائے''۔ اسی طرح ان کے سامنے یہ ارشاد نقل کیا گیا کہ ''لا ادری (میں نہیں جانتا) کہہ دینا آدھا علم ہے'' ابوحنیفہؒ کہنے لگے کہ ''بس دو مرتبہ لا ادری کہہ دینا چاہئے تا کہ علم مکمل ہو جائے۔''

یہ تھا فقہ اسلامی کے اس امام اعظمؒ کا احادیث کے بارے میں مسلک۔ امام اعظمؒ نے اس مسلک کی تائید میں دلائل بھی پیش کئے ہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ ''خود رسول اللہ ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ جزئیات دین کی تعیین میں آپ صحابہؓ سے مشورہ لیا کرتے تھے اور جو رائے بہتر ہوتی اسے اختیار فرما لیا کرتے تھے''۔ اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ ''اگر میں رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہوتا تو میں بھی اس مجلس مشاورت میں ہوتا اور میرا خیال ہے کہ کئی امور میں حضورؐ میری ذاتی رائے کو اختیار فرما لیتے''۔ تاریخ خطیب میں محمود بن موسیٰ اور ابو صالح الفراء کی زبانی یوسف بن اسباط کی یہ روایت قدرے مختلف اور جدا جدا الفاظ میں درج ہے۔

(تاریخ خطیب۔ جلد نمبر 13، ص 390,387)

خطیب نے یہ کچھ بیان کرنے کے بعد لکھا ہے:

''میں ایک روز ابوحنیفہ کے پاس بیٹھا تھا کہ سلطان کی طرف سے ایک ایلچی آیا۔ اس نے کہا کہ امیر نے پوچھا ہے کہ ایک آدمی نے شہد کا چھتہ چرا لیا ہے اس کے بارے میں کیا حکم ہے۔ ابوحنیفہؒ نے بلا کسی ہچکچاہٹ کے جواب دیا کہ اس کی قیمت اگر دس درہم ہے تو اس کا ہاتھ کاٹ دو۔ ایلچی چلا گیا تو میں نے ابوحنیفہؒ سے کہا کہ تم خدا سے نہیں ڈرتے۔ مجھ سے یحییٰ بن سعید نے بیان کیا۔ انہوں نے محمد بن حبان سے۔ انہوں نے رافع بن خدیج سے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پھل پھلواری کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جا سکتا۔ فوراً اس آدمی کی مدد کو پہنچو ورنہ اس کا ہاتھ کٹ جائے گا۔ اس پر ابوحنیفہؒ نے بلا تامل کہا کہ وہ حکم گزر چکا اور ختم ہو چکا۔ چنانچہ اس چور کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔۔۔ (ایضاً)۔''

صحابۂ کبارؓ کے اتباع میں امام ابوحنیفہؒ کا یہی وہ مسلک تھا جس کی بنا پر وہ ''اہل الرائے کے امام اعظم'' کہلائے۔ اہل الرائے کے مقابلے میں دوسرا گروہ ''اہل حدیث'' کا تھا۔ چنانچہ اس دوسرے گروہ کے چوٹی کے محدثین نے امام اعظمؒ کی مخالفت میں افسوسناک الفاظ استعمال کئے ہیں اور تاریخ خطیب میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے۔ امام مالک بن انسؒ نے کہا تھا کہ ''ابوحنیفہ کا فتنہ اس امت کے لئے (معاذ اللہ) ابلیس کے فتنہ سے کم نہیں۔ دونوں باتوں میں۔۔ عقیدۂ ارجاء میں بھی اور احادیث کو رد کرنے میں بھی''۔ عبدالرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں کہ ''میں دجال کے فتنہ کے بعد اسلام میں کسی فتنے کو (پناہ بخدا) ابوحنیفہ کے فتنے سے بڑا نہیں دیکھتا۔'' فزاری کہتے ہیں کہ ''میں نے سفیان ثوریؒ اور امام اوزاعیؒ دونوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ ''اسلام میں ابوحنیفہ سے زیادہ (خاکم بدہن) بدبخت ترین پیدا نہیں ہوا۔'' قیس بن ربیع سے ابوحنیفہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ ''ماضی (روایات و آثار) میں جاہل ترین اور مستقبل (استنباط احکام) کا عالم ترین شخص ہے۔'' عمرو بن قیس کا قول ہے کہ ''جو شخص حق کو معلوم کرنا چاہتا ہے اسے کوفہ جا کر ابوحنیفہ اور اس کے اصحاب کے قول کو دیکھنا چاہئے۔ اس کے بعد ان اقوال کے خلاف کرنا چاہئے۔'' (کیونکہ وہی حق ہے) بشری کہتے ہیں کہ ''تم ابوحنیفہ کی مخالفت کرو گے تو حق کو پا لو گے۔'' عمار بن زریق کہتے ہیں ''ابوحنیفہ کی مخالفت کرو۔ تم حق کو پا

لو گے''۔ ابن عمار کا قول ملاحظہ ہو۔ کہہ رہے ہیں کہ ''جب تمہیں کسی بات میں شک ہوتو دیکھ لو کہ ابوحنیفہ نے کیا کہا ہے۔ بس اس کی مخالفت کرو کہ حق وہی ہوگا یا یوں کہو کہ اس کی مخالفت میں ہی برکت ہے۔'' ابوعبید سے روایت ہے کہ میں اسود ابن سالم کے ساتھ رصافہ کی جامع مسجد میں بیٹھا ہوا تھا وہاں کسی مسئلہ کا تذکرہ آ گیا۔ میرے منہ سے نکل گیا کہ ابوحنیفہؒ ایسا کہتے ہیں تو سودؒ نے مجھے ڈانٹ کر کہا کہ ''تو مسجد میں ابوحنیفہ کا تذکرہ کرتا ہے۔'' اور مسجد میں ابوحنیفہ کا نام لینے کے جرم میں وہ مجھ سے اس قدر ناراض ہوئے کہ مرتے دم تک پھر مجھ سے کلام نہ کیا۔

معاملہ یہیں پر بس نہیں ہوا بلکہ اور آگے بڑھا۔ تاریخ خطیب میں فقہ حنفی کی مخالفت کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ چنانچہ اس میں بتایا گیا ہے کہ ممدویہ بن مخلد کہتے ہیں کہ محمد بن مسلمہ مدینی سے پوچھا گیا ''کیا وجہ ہے کہ ابوحنیفہ کی رائے سارے شہروں میں گھس گئی ہے مگر مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہو سکی۔'' محمد بن مسلمہ نے جواب دیا کہ ''اس کی وجہ یہ ہے کہ مدینہ منورہ کی ہر گلی پر ایک فرشتہ مقرر ہے جو مدینہ میں دجال کو داخل ہونے سے روکے گا اور یہ بھی چونکہ دجالوں کا کلام ہے اس لئے وہاں داخل نہیں ہوسکا۔'' (استغفراللہ)۔

یہ امام اعظمؒ کے بارے میں محدثین کے مشہور بزرگوں کے نقطۂ نظر کا ایک مختصر سا جائزہ ہے۔ مخالفت کا یہ گھناؤنا انداز اس لئے اختیار کیا گیا کہ امام اعظمؒ احادیث کو غیر متبدل قانون کی حیثیت دینے کے لئے تیار نہیں تھے۔

اس صورتِ حال پر مصر کے دورِ حاضر کے ایک مشہور عالم ابوزہرا نے اپنی کتاب ''امام ابوحنیفہؒ'' میں بڑی تفصیل سے بحث کی ہے۔ مصر کے اکثر علماء کی طرح ابوزہرا کا تعلق شافعی مسلک سے ہے۔ اس کے باوجود انہیں یہ اعتراف کرنا پڑا کہ:

> ''مگر (امام ابوحنیفہؒ کے) مخالفین کی صف میں زیادہ تر وہی لوگ نظر آتے ہیں جو استقلالِ فکری میں ان کے مقابلہ میں عاجز تھے یا ان کے مدارک فقہ تک رسائی سے محروم تھے۔ یا پھر وہ تنگ مزاج مخالفین تھے جو ہر اس طریقِ فکر کو جو اقوالِ اسلاف سے ماخوذ نہ ہو حقِ معروف سے خارج اور بدعتِ منکر خیال کرتے ہیں۔ امام صاحب سے ان کے بھڑکنے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ان کی نظر میں جہاں توقف واجب تھا یا اخذ قلیل سے کام چل سکتا تھا وہاں امام صاحب بے دھڑک رائے اور قیاس کا استعمال فرمایا کرتے تھے.....
>
> امام صاحب کے بعض نکتہ چین وہ ہیں جو ان کی شانِ مروت و اتقا اور علم و فضل سے آشنا نہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عقل وافر، علم گراں بہا، قدر خطیر اور عوام و خواص کی نگاہ میں رتبۂ خاص سے نوازا ہے۔ امام صاحب کی ذات گرامی پر قدح کرنے والوں کی تعداد کتنی ہی کیوں نہ ہو اور ان کی کثرتِ کلام کا عالم کچھ ہی کیوں نہ ہو..... مگر یہ امر واقعہ ہے کہ تاریخ نے اس فقیہہ عراق پر طعن و تشنیع کرنے والوں کے مقابلے میں ہمیشہ انصاف کیا ہے۔

ان کے مقابلے میں بھی جو ان کی زندگی میں مصروفِ افترا تھے اور ان کے مقابلے میں بھی جو موت کے بعد بھی افترا پردازیوں سے باز نہ آئے۔ لوگوں نے گوش ہوش سے ان لوگوں کی باتیں سنیں جنہوں نے امام صاحب کی صفت وثنا بیان کی ہے۔ اسے شہادتِ صدق اور قولِ حق سمجھ کر کہنے والوں کی تعریف کی۔ اور سمجھ لیا کہ دشنام طرازی کی روشن دلیل ہے اس بات کی کہ انسان جب قدر وفکر، اخلاص ومروت اور دین کے لحاظ سے عظمت و رفعت حاصل کر لیتا ہے تو افترا سے محفوظ نہیں رہتا۔ اور یہ چیز اس کی آزمائش اور جزا میں اضافے کا سبب بنتی ہے۔''

(ص99-100)

اس مکتبِ فقہ کی بارگاہ سے جس نے امام اعظمؒ کے خلاف وہ کچھ کہا تھا جسے ہم (دل پر پتھر رکھ کر) اوپر نقل کر آئے ہیں، یہ خراجِ تحسین امام موصوف کی عظمت کا بہت بڑا اعتراف ہے۔ ساتھ ہی امام ابوحنیفہؒ کی وسعتِ قلبی اور بلند نگہی کا اندازہ اس سے لگائیے کہ جہاں ان کے مخالفین نے ان کے خلاف یہ کچھ کہا وہاں امام صاحب نے جو نعرہ بلند کیا وہ یہ تھا کہ:

''اے اللہ! جن لوگوں کے سینے ہمارے لئے تنگ ہیں ہمارے سینے ان کے لئے فراخ ہیں۔''

(تاریخ بغداد، جلد نمبر 13، ص 352)

اس مقام پر ایک اور اہم حقیقت کی وضاحت بھی ضروری ہے اور وہ یہ کہ کیا امام اعظمؒ کا منشاء یہ تھا کہ وہ اپنی فقہ کو قیامت تک کے لئے غیر متبدل سمجھتے تھے۔ جیسا کہ ان کے بعد فقہ حنفی کی تقلید کرنے والوں نے سمجھ لیا۔ جس شخص کا اپنا عقیدہ یہ ہو کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے فیصلے بھی قیامت تک کے لئے غیر متبدل قرار نہیں پا سکتے وہ اپنے تفقہ واجتہاد کو کیونکر غیر متبدل اور ہمیشہ کے لئے واجب تقلید قرار دے سکتا ہے۔ اس باب میں تاریخی شہادات موجود ہیں کہ امام اعظمؒ نے اسے قطعاً پسند نہیں کیا کہ ان کے اجتہادات کو ابدی حیثیت دے دی جائے۔ انہوں نے ہمیشہ اس بات کو شدت سے روکا۔ چنانچہ تاریخ خطیب میں مذکور ہے کہ:

''نضر بن محمد کہتے ہیں کہ ہم امام ابوحنیفہؒ کے پاس آیا جایا کرتے تھے اور ہمارے ساتھ شام کا ایک شخص بھی ہوتا تھا۔ جب وہ شامی وطن کو واپس جانے لگا تو رخصت ہونے کے لئے امام ابوحنیفہؒ کے پاس آیا۔ امام ابوحنیفہؒ نے اس سے پوچھا۔ اے شامی! کیا تم اس کلام (فقہ) کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤ گے''؟ شامی نے جواب دیا ''ہاں!'' اس پر امام نے فرمایا۔ ''خیال رکھنا! تم بہت بڑے شر کو اپنے ساتھ لے جا رہے ہو۔'' (جلد نمبر 13۔ص 401) مزاحم بن زفر کہتے ہیں کہ میں نے خود امام ابوحنیفہؒ سے سوال کیا کہ ''جو کچھ آپ فتویٰ دیتے ہیں یا اپنی کتابوں میں درج فرماتے ہیں کیا یہ سب حق ہے۔ جس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔'' امام ابوحنیفہ نے فرمایا ''بخدا مجھے معلوم نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ باطل ہو اور اس کے باطل ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ ہو۔''

امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ ہم امام ابوحنیفہؒ کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔ ہمارے ساتھ ابو یوسف اور

محمد بن الحسن بھی ہوتے تھے۔ جو کچھ امام ابوحنیفہ فیصلے فرماتے ہم ان کو یکجا لکھ لیا کرتے تھے۔ امام زفر کہتے ہیں کہ ایک دن ابوحنیفہؒ نے ابو یوسفؒ سے فرمایا ''یعقوب تیرا ناس ہو جو کچھ تو مجھ سے سنے اسے سب کا سب نہ لکھ لیا کر۔ آج میری رائے کچھ ہوتی ہے اور کل میں اسے چھوڑ دیتا ہوں۔'' ابونعیم کہتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ کو ابو یوسفؒ سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مجھ سے کوئی مسئلہ نقل نہ کرو۔ کیونکہ بخدا مجھے خبر نہیں کہ میں (اپنے اجتہاد میں) خطا کار ہوں یا مصیب (ایضاً)۔ سہل بن مزاحم کہتے ہیں کہ میں اکثر امام ابوحنیفہؒ کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنتا تھا۔ **﴿فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنه﴾** یعنی اے پیغمبر! میرے ان بندوں کو بشارت دے دو جو باتوں کو سنتے ہیں پھر ان میں جو اچھی بات ہوتی ہے اس کی پیروی کرتے ہیں۔ (ایضاً 14' ص 352) حسن بن زیاد لؤلوی کہتے ہیں کہ میں نے خود امام ابوحنیفہؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہمارا یہ قول (فقہ) ایک رائے ہے جو بہتر سے بہتر ہم قائم کر سکے ہیں۔ جو ہمارے قول سے بہتر رائے لا سکے تو وہی صحت کے زیادہ قریب ہوگی۔ (ایضاً)۔''

امام اعظمؒ کے یہ اقوال آخر کس حقیقت کی نشان دہی کر رہے ہیں۔ کیا ان تصریحات سے صاف طور پر یہ واضح نہیں کہ امام موصوف اپنے اجتہاد کو سہو و خطا سے مبرا نہیں سمجھتے تھے۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ ہم ان کی فقہی کوششوں کو حرف آخر کا درجہ دے دیں اور قیامت تک کے لئے اسے امت کا دستور العمل بنا دیں۔

حالات کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ امام اعظمؒ نے اپنے اجتہاد کے بارے میں یہ کچھ تصریحات فرمائیں اور اس کے بعد وہ کروڑوں انسان جنہوں نے فقہ حنفی کو اپنا کر انہیں اپنا امام تسلیم کیا وہ اس عقیدہ پر جم گئے کہ فقہ حنفی کی حیثیت غیر متبدل ہے۔ حالات کے تقاضوں کی بنا پر اس میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں۔ معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہوا بلکہ آگے بڑھا۔ اور یہ عقیدہ وضع کیا کہ آیاتِ قرآنی کی وہی تفسیر قابل قبول سمجھی جائے گی جو فقہ حنفی سے مطابقت رکھتی ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تفقہ و اجتہاد کا وہ عظیم الشان سلسلہ جس کا آغاز اس مقنن اعظمؒ کے ہاتھوں ہوا تھا منجمد ہو کر رہ گیا۔ یہ سب کچھ نہ صرف منشائے دین کے خلاف تھا بلکہ ان عظیم مقاصد کے بھی سراسر منافی تھا جنہیں امام اعظمؒ لے کر اٹھے تھے اور جن کے باعث انہیں شہرت دوام حاصل ہوئی۔ ابوزہرا فقہ حنفی کے اسی افسوسناک انجام کا ماتم کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> ''ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ اگر فقہ حنفی میں تخریجِ مسائل کا کام اسی آزادی سے جاری رہتا اور اصحابِ تخریج ائمہ سلف کی طرح فقہی مسائل میں غور و خوض کرتے رہتے تو موجودہ وقت کی دشواریوں پر بھی بخوبی قابو پایا جا سکتا تھا اور کتاب و سنت یا فقہی اصول و قواعد سے بغاوت اختیار کئے بغیر حالات کے مطابق مسائل کا استنباط ممکن تھا اور یہ آراء یقیناً فقہ حنفی کا ایک جز

بننے کی صلاحیت رکھتے۔ لیکن افسوس کہ عوام پر جمود طاری ہوگیا اور وہ سمجھنے لگے کہ یہ جمود ان کا نہیں بلکہ فقہ اسلامی کا ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ نہیں۔''

(امام ابوحنیفہؒ ص695)

آگے چل کر وہ مزید آنسو بہاتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ:

''بدقسمتی کی بات ہے کہ متاخرین نے اس دروازے کو بند کر دیا اور اب ان کے لئے اس کے سوا کوئی کام نہ رہ گیا کہ ترجیح شدہ اقوال و آراء کو سامنے رکھ کر فتویٰ دے دیا کریں۔ اب یہ اس کے مجاز نہیں رہ گئے کہ جن مسائل میں کوئی نص موجود نہیں ہے ان پر اجتہاد کر کے کوئی رائے قائم کر سکیں۔ ان کے نزدیک مذہب مدون ہو چکا۔ کتابیں مرتب ہو چکیں۔ لہٰذا ہر حنفی پر واجب ہے کہ آنکھ بند کر کے تقلید کرتا چلا جائے۔''

(ایضاً' ص702)۔

علامہ اقبالؒ نے بھی اپنے خطبات میں اس افسوسناک صورتِ حال کا تجزیہ کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

''جائے حیرت ہے کہ موجودہ حنفی علماء نے خود اپنے مکتبِ فقہ کی روح کے خلاف امام ابوحنیفہؒ اور ان کے رفقاء کے فیصلوں کو ابدی اور غیر متبدل قرار دے رکھا ہے جو عہدِ رسالتؐ اور صحابہؓ میں پیش آمدہ مقدمات کے سلسلے میں نافذ ہوئے۔''

(خطباتِ اقبال۔ اسلامی قانون شریعت میں اصول ارتقاء)۔

سچ پوچھئے تو امام اعظمؒ اور ان کے رفقائے جلیل کی عظیم الشان اجتہادی کاوشیں ہمارے لئے اس مرحلہ پر نشان راہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ پاکستان پہلے دن سے اسلامی قوانین کی ازسرنو تشکیل کی اہم ضرورت سے دوچار ہے۔ ہمارا قدامت پرست مذہبی طبقہ اس راہ میں ایک مستقل روک بن کر کھڑا ہے۔ اپنی قدامت پسندی اور تفرقہ بازی کے باعث وہ نہ خود اس کا کوئی متفق علیہ حل پیش کرنے کے قابل ہے اور نہ دوسروں کو اس کی اجازت دیتا ہے۔ ان حالات میں اس مرحلہ کو کامیابی سے طے کرنے کی واحد صورت وہی ہے جس کی نشان دہی امام اعظمؒ نے فرمائی تھی اور وہ یہ کہ قرآن کریم کے غیر متبدل اصولوں کی پابندی اختیار کرتے ہوئے اپنے اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق جزئی قوانین کی تشکیل باہمی مشاورت سے عمل میں لائی جائے۔ اس میں شک نہیں کہ قدامت پرستی کے شور و شر کے پیش نظر یہ راہ اختیار کرنے میں بڑی جرأت اور ہمت درکار ہے۔ لیکن ایسا کئے بغیر ہم ایک قدم بھی کامیابی سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ علامہ اقبالؒ اسی سلسلۂ تفصیل میں لکھتے ہیں:

''مجھے اس میں ذرا سا بھی شبہ نہیں کہ اگر اسلامی قانون سے متعلق ضخیم لٹریچر کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو اس سے دور حاضر کے ناقدین کے اس سطحی خیال کی تردید ہو جائے گی کہ اسلامی قانون جامد اور ناقابلِ ترقی ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں کا قدامت پرست طبقہ ابھی اس کے لئے تیار نہیں کہ قانون سازی کے مسئلہ کے متعلق تنقیدی نقطۂ نگاہ سے گفتگو کی جائے۔ اگر کسی نے اس بات کو اٹھایا تو یہ اقدام بہت سے لوگوں کے

لئے وجۂ ناراضی ہو جائے گا اور مخالفت کا دروازہ کھول دے گا۔''

(خطبات اقبال۔ص156)

اس سلسلے میں انہوں نے مزید بتایا ہے کہ:

''میرا عقیدہ ہے کہ جو شخص اس وقت قرآنی نقطۂ نگاہ سے زمانہ حال کے جورس پروڈنس پر ایک تنقیدی نگاہ ڈال کر احکامِ قرآنیہ کی ابدیت کو ثابت کر دے گا وہی اسلام میں مجدد ہوگا اور بنی نوع انسان کا سب سے بڑا محسن بھی.....

افسوس کہ زمانۂ حال کے اسلامی فقہا یا تو زمانہ کے میلانِ طبیعت سے بالکل بے خبر ہیں یا قدامت پرستی میں مبتلا۔ میری ناقص رائے میں اسلام اس وقت گویا زمانے کی کسوٹی پر کسا جا رہا ہے اور شاید اسلام کی تاریخ میں ایسا وقت کبھی نہیں آیا۔''

(اقبال نامہ۔جلد اول۔ص50)

لیکن پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد وہ وقت اب یقیناً آ گیا ہے جس کے متعلق علامہ مرحوم نے اپنے خطبات میں یہ پیشگوئی کی تھی کہ:

''یہ سوال زود یا بدیر مسلم اقوام کے سامنے آنے والا ہے کہ اسلامی قوانینِ شریعت میں ارتقاء کی گنجائش ہے یا نہیں۔ یہ سوال بڑا اہم ہے اور بہت بڑی ذہنی جدوجہد کا متقاضی۔ اس سوال کا جواب یقیناً اثبات میں ہونا چاہئے۔ بشرطیکہ اسلامی دنیا اس کی طرف عمرؓ کی روح کو لے کر آگے بڑھے۔ وہ عمرؓ جو اسلام کا سب سے پہلا حریت پسند قلب ہے۔ وہ جسے رسولؐ اللہ کی حیات طیبہ کے آخری لمحات میں یہ کہنے کی جرأت نصیب ہوئی کہ۔**حسبنا کتاب اللہ۔**''

علامہ اقبالؒ نے اپنے اس خطبہ کے اختتام پر فرمایا تھا کہ:

''اسلام کا بنیادی تخیل یہ ہے کہ اب وحی کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ اس بنا پر ہمیں دنیا کی سب سے زیادہ آزاد قوم ہونا چاہئے۔ پہلے زمانے کے مسلمان جو ایشیائے قبل از اسلام کی روحانی غلامی سے (نئے نئے) آزاد ہوئے تھے۔ اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ وہ (ختم نبوت کے) بنیادی تخیل کی اہمیت کا صحیح صحیح اندازہ لگا سکتے۔ لیکن دورِ حاضر کے مسلمان کو چاہئے کہ وہ اپنی پوزیشن کو اچھی طرح سمجھے۔ (قرآن کے) غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں اپنے معاشرے کی تشکیلِ جدید کرے۔ اور وہ عالمگیر جمہوریت قائم کر کے دکھا دے جو اسلام کی اصل و غایت ہے۔ لیکن جو ابھی تک پورے طور پر بے نقاب ہو کر دنیا کے سامنے نہیں آئی۔''

ارضِ پاکستان اس انتظار میں ہے کہ پھر کوئی عمر فاروقؓ۔ امام اعظمؒ اور اقبالؒ کی روح کو لے کر اٹھے اور قانون سازی کے سلسلے میں، اس مملکت کو اس طلسم پیچ و تاب سے نجات دلائے جس میں یہ بدقسمتی سے ستاون برس سے بری طرح گرفتار چلی آ رہی ہے اور جس سے نکلنے کی ابھی بظاہر کوئی شکل نظر نہیں آتی۔

آوازۂ حق اٹھتا ہے کب اور کدھر سے
مسکیں ولکم ماندہ دریں کشمکش اندر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کے ایم اعظم

پاکستان کے لئے دنیوی فلاح اور نجات اخروی کا راستہ

پاکستان کے موجودہ دگرگوں حالات میں تشویش ناک بات یہ نہیں کہ ہمیں سیاسی اور معاشی استحکام نصیب نہیں اور ہم امریکہ کی سفاکانہ یلغار کا مرکزی ہدف ہیں۔ تشویشناک بات یہ ہے کہ کسی طرف سے بھی روشنی کی کوئی کرن دکھائی نہیں دیتی۔ نہ ہی ریاست اور سیاست کے ایوانوں سے، نہ ہی عسکری قیادت سے، نہ مساجد کے منبروں سے اور نہ ہی عوامی سطح سے۔ ہر طرف گھپ اندھیرا ہے۔ کہیں سے بھی شرار آرزو پھوٹتا نظر نہیں آتا۔

جمال الدین افغانی کے خیال میں عالم اسلام کے زوال کی بنیادی وجہ فکر اسلامی میں انحطاط ہے۔ اگر کسی دین کے فکر میں انحطاط رو پذیر ہو جائے، تو اس کی تبلیغ و ترویج بھی بے معنی ہو جاتی ہے۔ یہ فکری انحطاط، اسلامی تہذیب کے لئے جس کا دارومدار دین پر تھا، نہایت ہی مہلک ثابت ہوا۔ ملت اسلامیہ کو فکری زوال سے نکالنے کے لئے علامہ اقبال نے ایک منفرد کوشش کی تھی، جو آج پچھتر سال گذرنے کے بعد بھی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوئی۔ فکر اقبال 'لادینی' اور 'دینی' مادہ پرستی کی بتدریج ابھرتی ہوئی لہروں کے تلے دبا ہوا ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ فکر اقبال کو بظاہر ابھارنے والی کوششیں بھی فکر اقبال کو دبا رہی ہیں۔

بہرحال دو راستے ہیں، جن پر گامزن ہو کر مسلمان اپنی عظمت گم گشتہ کو بازیاب کر سکتے ہیں۔ ایک راستہ تو توحید کی وصولیابی کا ہے، جبکہ دوسرا راستہ اسلامی نظام معیشت کے قیام کا ہے۔ دراصل یہ راستہ بھی نظریۂ توحید سے ہی نکلتا ہے یعنی یا تو ہم توحید کو حقیقی معنوں میں اپنا کر اسلامی اخوت و مساوات کے اہداف کی طرف سفر کر سکتے ہیں یا پھر اسلامی معاشرت و معیشت کی طرف جادہ پیما ہو کر توحید کی وصولیابی یا عمل پذیری کر سکتے ہیں۔

ہم سے اکثریت کے لئے توحید مافیہ سے معریٰ ایک لفظ ہے، جس کا قولی اقرار ہی کافی سمجھ لیا جاتا ہے۔ اس کی امکانی قوت پر گرفت تو صحیح فہم قرآن سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ نظریہ توحید ایک ایسا انقلابی نظریہ ہے، جو دنیا کے مروجہ اجتماعی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظاموں پر تیشہ بن کر گرتا ہے۔ عموماً لوگ مذہبی معنوں میں تو اللہ کو معبود مانتے ہیں لیکن اسکی قانونی اور سیاسی حاکمیت کے مضمرات کا پورا شعور نہیں رکھتے:

خرد نے کہہ بھی دیا لاالٰہ تو کیا حاصل

دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

اللہ تعالیٰ کی وحدت' وحدت انسانی کے ساتھ منسلک ہے۔ توحیدی معاشرہ کی بنیاد انسانی اخوت اور مساوات پر ہے۔ توحیدی معاشرہ میں کسی قسم کے طبقات نہیں ہوتے اور نہ ہی ہو سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی نظام سیاسی' معاشی' تعلیمی اور معاشرتی۔ طبقاتی خطوط پر استوار کیا جا سکتا ہے۔ یہ توحید پر پوری طرح قائم نہ ہونے کی ہی وجہ ہے کہ ہم ذہنی و روحانی طور پر مضمحل ہو کر مختلف انواع کی غلط فہمیوں میں مبتلا رہتے ہیں اور اصول پرستی کی بجائے تاریخ پرستی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ تاریخ عموماً اصول کی دشمن ہوتی ہے۔ جب تاریخ کو دین کا حصہ بنا دیا جاتا ہے' تو دین کی اصولی قوت کمزور پڑ جاتی ہے۔ تاریخی شخصیتیں اتنی اہم ہو جاتی ہیں کہ اصولوں کو ان پر قربان کر دیا جاتا ہے۔ اس تاریخی جبر کی وجہ سے مسلک دین پر حاوی ہو جاتے ہیں اور اللہ کی خوشنودی سراب بن کے رہ جاتی ہے۔ دین کے اصول ابدی اور اٹل ہوتے ہیں جبکہ اصولوں کی تعمیل و تکمیل کے لئے بنائے جانے والے ادارے یا تنظیمیں وقتی حالات کے مطابق بدلتی رہتی ہیں۔ عموماً دیکھنے میں آیا ہے کہ جب قومیں زوال پذیر ہوتی ہیں تو وہ اپنے گذرے وقتوں کے اداروں کو مقدس و متبرک بنا کر رجعت اور جمود کا شکار ہو جاتی ہیں۔

دورِ حاضر کے مسلمان علمی و فکری نشاۃ ثانیہ' روحانی تجدید اور مادی ترقی سے تب ہی ہمکنار ہو سکتے ہیں' جب وہ توحید کی آفاقیت اور اسلامی مساوات کو مکمل طور پر اپنا لیں۔ توحید پر پوری طرح قائم نہ ہونے کی وجہ سے ہمارا اللہ کے ساتھ رشتہ جزوی' انسان کے ساتھ رشتہ مطلبی اور ماحول کے ساتھ رشتہ استحصالی ہو کے رہ گیا ہے۔ جب تک ہمارے دینی فکر و عمل کی بنیادیں صحیح فہم قرآن پر استوار نہیں ہوں گی ہم دور حاضر کے مادہ پرستانہ فکر کی بھول بھلیوں میں گم رہیں گے۔

ایک غور طلب بات یہ ہے کہ ہمارے قومی انحطاط کی وجہ دین سے دوری ہے یا اپنے اپنے مسلک سے شدید لگاؤ۔ دین مصطفیٰ ﷺ کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے قلزم سے گریز کی راہ اپنا کے' ہمارے دور حاضر کے مسلمان فہم قرآن کی ناقص تعبیریں لئے اپنے اپنے مسلکوں کی تنگ آبناؤں میں بے اثر زندگیاں گذار رہے ہیں۔ مزید براں ہمارے دیندار طبقات کا ایک بیشتر حصہ ظاہراً اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مگر حقیقتاً بے مقصد نصب العین اور ایک نامکمل اور ادھوری جستجو کے تعاقب میں' غیر کامل شے کو کامل تصور کرتے ہوئے' اپنی قیمتی زندگیوں اور خداداد صلاحیتوں کو ضائع کرتا رہتا ہے۔ اسلامی تحریکوں اور تبلیغی اجتماعات میں جمع ہونے والے مسلمانوں کا جم غفیر اگر اپنی صلاحیتیں اور وقت کسی مثبت اصلاحی یا فلاحی پروگرام اور حقیقی دین پر صرف کرے تو شاید یہ وطن عزیز بہت جلد انقلاب سے ہمکنار ہو جائے۔

دراصل بات بنیاد اور اساس کی ہوتی ہے۔ جب بنیاد ہی غلط ہو' تو اس پر اٹھائی گئی عمارت کبھی صحیح نہیں ہو سکتی۔ غلط بنیاد پر کی گئی محنت' غلط نتائج ہی پر منتج ہو گی اور ہماری ساری محنت رائیگاں جائے گی۔

پاکستانی قوم کا المیہ یہ ہے کہ فروعی مسائل میں الجھی رہتی ہے۔ یہ ظاہری عبادات کو ہی مکمل دین تصور کئے ہوئے ہے' حالانکہ ظاہری عبادات ہمارے دین کے برگ و بار ہیں'

بنائے اسلام نہیں۔ اسلام کے پانچ ارکان امت کے مناسک ایمان کے ظواہر ہیں' اصل دین توحید اور اس کے مضمرات اخوت انسانی' احترام آدمیت اور معاشی مساوات ہیں۔ دور حاضر کے مسلمانوں کا المیہ یہ ہے کہ ان کے دین کا دارومدار عبادات کی ادائیگی پر مرکوز ہوگیا ہے اور معاملات پس پشت ڈال دیئے گئے ہیں' جبکہ اسلام کی اساس معاملات پر ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مکمل اطاعت کو بھی منظور نہیں فرماتا جب تک اس کے ساتھ نیک اور صالح اعمال نہ ہوں (البقرہ:112)۔ عبادات کا کام تزکیہ نفس کے ذریعے کردارسازی اور لوگوں کو جہادزندگانی کے لئے تیار کرنا ہے' جس میں ہمارا تعلیمی اور دینی نظام کامیاب نہیں ہو پا رہا۔ دینی عبادات کے تعامل (Process) سے ایسے مسلمان برآمد نہیں ہو رہے' جن کی آرزو ہم سب اپنے دلوں میں لئے ہوئے ہیں۔

دینی عبادات کو بس جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ بنا دیا گیا ہے' جبکہ عبادات کا مطلب محض قولی اور نمائشی اقرار نہیں بلکہ احکام الٰہی پر صدق دل سے عمل پیرا ہونا ہے۔ دورحاضر کے اکثر مسلمانوں کا فہم دین ناقص ہے' اس لئے وہ توحید کے بلند بانگ قولی اقرار کے باوجود بہت بڑے بت پرست ہیں:

زباں سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل!
بنایا ہے بُتِ پندار کو اپنا خدا تو نے

ہمارے بے شمار مخلص اور نیک دل مسلمان اپنے اپنے ناقص فہم دین کی ترویج اور توسیع پر کثیر مال وزر خرچ کر رہے ہیں اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کی خوشنودی کی بجائے' اس کی ناراضگی مول لے رہے ہیں۔ ہم میں سے بیشتر لوگ دوسروں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہیں مگر اپنے اعمال سے غافل ہیں حالانکہ یہ کتاب اللہ کی تلاوت بھی کرتے ہیں۔ کیا یہ عقل سے کام نہیں لیتے (البقرہ:44)۔ بے شک جن کے دلوں میں کجی ہے' ان کو گمراہ کرنے کے لئے اللہ کی یہ کتاب ہی کافی ہے (البقرہ:26' ال عمران:7)۔ دوسری طرف ہمارے نظریاتی دینداری کے پرجوش علمبرداروں نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ دین مصطفیٰ کا دارومدار' تعلق باللہ' تزکیہ نفس' حکمت' رواداری اور اخلاص پہ ہے' اپنی دینی جدوجہد کی اساس نظریہ' تنظیم' تصادم اور انقلاب پر رکھی ہے۔

عبادات مشیتِ الٰہی پیدا کرنے کی بجائے لوگوں کے دل سخت کر رہی ہیں اور انہوں نے خودتحسینی اور خودفریبی کے التباس میں اپنے آپ کو صالحیت کے مقام پر فائز کر کے سوچنا چھوڑ دیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں خوف خدا نہیں ہے۔ حالانکہ خوف خدا ہی سب سے بڑی حکمت ہے (السیوطی' درمنثور)۔ یہ لوگ دنیاوی زندگی کے ظاہری پہلو کو ہی جانتے ہیں اور آخرت سے بالکل غافل ہیں (الروم:8-7)۔ مادہ پرستانہ فکر کا غلبہ اس قدر ہے کہ کوئی بھی اس کے دائرہ کے باہر سوچنے کے لئے تیار نہیں۔ علماء بھی اپنے اپنے نظریاتی اور عقلی فریم ورک سے چمٹے ہوئے ہیں۔ عصر حاضر میں اسلامی انقلاب کی تحریک اٹھے گی بھی تو کہاں سے' جبکہ ملاؤں کے منبروں اور پیروں کی مجالس میں بھی سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کا تسلط ہے۔ ہمارے علماء اور دینی اکابرین خداپرستی کے پردے میں خودپرستی میں مبتلا ہیں۔ دین

فروش ملا' اسلام کے سوداگر اور قرآن کے تاجر دین کا رشتہ قوت اور سرمایہ سے جوڑ کر لوگوں کو جادہ حق سے دور کر رہے ہیں۔

ہماری ظاہری عبادات پر بڑھتی ہوئی توجہ ایک دینی دکھاوے کے بلبلہ (Bubble) کا باعث بن رہی ہیں۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ حد سے بڑھی ہوئی عبادات لوگوں کو اسلام کے عینی اہداف کے قریب لے جانے کی بجائے روز بروز دور کر رہی ہیں۔ چنانچہ وہ دن دور نظر نہیں آ رہا جبکہ حقیقت اور اس کی ناقص تعبیر کے درمیان خلیج نا قابل برداشت حد تک وسیع ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ کے قانون فطرت کے تحت یہ بلبلہ دھماکہ سے پھٹ جائے گا اور ہماری حالت یہ ہو کے رہ جائے گی کہ نہ پائے ماندن' نہ جائے رفتن۔ ان حالات کے پیش نظر لازم یہ ہے کہ ہم اپنے رویوں کا صدق دل سے محاسبہ کریں اور اللہ کی رَسی کو مضبوطی سے پکڑ کر صراط مستقیم کی طرف رجوع کریں۔

پاکستانی معاشرہ میں منافقت کا غلبہ ہے' جبکہ تاریخ عالم ہمیں یہ بتاتی ہے کہ تاریخ سازی میں صرف صاحب کردار لوگوں نے ہی رول ادا کیا ہے۔ منافقوں کا اس میں کوئی رول نہیں ہے۔ اگر ہم پاکستان کو اس کے انحطاط سے نکالنا چاہتے ہیں' تو ہمیں چاہئے کہ ایک مثبت پروگرام (تعلیم و تربیت اور میڈیا) کے تحت پاکستانیوں کو منافقت کی دلدل سے نکالیں۔ ہمیں یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہئے کہ منافقت سے نجات حاصل کئے بغیر ہماری کوئی بھی جدوجہد کامیابی سے ہمکنار نہ ہو گی۔

فی الحقیقت بات باطنی قوت کی ہے۔ ہم اندر سے کمزور ہیں کیونکہ اسلام نے ہمارے اندر سرایت نہیں کیا۔ ظاہری بود و باش ایک فروعی مسئلہ ہے۔ اصل مسئلہ ایمان کی مضبوطی' تعلق باللہ اور وہن سے نجات کا ہے۔ مسلمان کے لئے اس کی ظاہری اور باطنی قوت کا راز تعلق باللہ میں ہے۔ جب ہمارا اللہ سے تعلق صحیح بنیادوں پر قائم ہو گا تو ہمارا ہر کام ٹھیک ہو جائے گا۔ ان دگرگوں اور بگڑتے ہوئے حالات میں جبکہ ہر طرف سے دشمن ہماری جان کے درپے ہیں' تو ہمارے لئے رجوع الی اللہ کے سوا اور چارہ بھی کیا ہے؟ مگر یہ رجوع ادھورا اور کمزور نہیں ہونا چاہئے بلکہ اس کی اساس ایک پائیدار تعلق باللہ اور اخلاص پر ہونی چاہئے تاکہ ہم اللہ تعالیٰ کی سچی خوشنودی حاصل کر کے فتح یاب ہوں۔

مغرب نے تو مذہب کو زندگی اور اس کے معاملات سے الگ کر دیا۔ اسے عقیدہ کے طور پر تو زندہ رکھا مگر دنیوی معاملات کو عقل کے سپرد کر دیا۔ اس طرح مغرب نے پادریوں کے مسخ شدہ مذہب سے نجات حاصل کر لی۔ ہمارے ہاں افسوسناک صورت حال یہ بنی کہ مالدار طبقہ اور ملاؤں کی ملی بھگت نے ہمارے حقیقی انقلابی دین کو پس پشت ڈال کر' مذہب کو دنیوی معاملات سے علیحدہ کر کے صرف عبادات و ریاضت تک محدود کر دیا حالانکہ انبیاء علیھم السلام نے دنیوی معاملات کو اخلاقی اقدار پر قائم کرنے کے لئے جانفشاں جدوجہد کی تھی۔ ایران کے عالی قدر مفکر' ڈاکٹر علی شریعتی کے بقول مقدس بانیان مذاہب کے حقیقی مذہب کو مذہبی پیشوائیت نے مذہب پر اپنی اجارہ داری قائم رکھنے اور اپنی مالی حالت کو خوش حال بنانے کے لئے مراعات یافتہ طبقہ کے مفاد میں اس

طرح تبدیل کر دیا ہے کہ وہی تبدیل شدہ مذاہب اب حقیقی مذہب کے طور پر عوام کے دل و دماغ پر مسلط ہو چکا ہے۔

قرآن نے نہ صرف انبیاء پر تشدد کا ذکر کیا بلکہ اقوام کی تباہی کا باعث بھی مالدار طبقہ کی دولت کے بل بوتہ پر محنت کے استحصال اور عیش پرستی کو قرار دیا۔ اس کے برعکس مذہبی پیشواؤں نے اپنی جلب منفعت کے لئے اس خیال کو آگے بڑھایا کہ امیر اور غریب خدا بناتا ہے۔ یہ انسان کی غلط تقسیم دولت کے باعث پیدا نہیں ہوتے۔ اس طرح حقیقی مذہب کی تعلیمات کو مسخ کر دیا گیا اور ہر مذہب میں یہ بات رائج ہوگئی کہ امیر اور غریب خدا بناتا ہے اور لوگوں کے لئے صرف یہ ضروری ہے کہ وہ خیرات کے ذریعہ مفلوک الحال افراد کی مالی مدد کریں۔ جس کے معنی یہ ٹھہرے کہ ہمیشہ کے لئے معاشرہ میں امیر لوگ بھی رہیں اور غرباء کا وجود بھی باقی رہے تا کہ امراء غرباء کی مالی مدد کرتے رہیں' یعنی:

تیرے امیر مال مست' تیرے فقیر حال مست
بندہ ہے کوچہ گرد ابھی' خواجہ بلند بام ابھی!

اسلامی نظریات کے مطابق قدرتی وسائل کی کمی کی وجہ سے غربت اور افلاس پیدا نہیں ہوتے بلکہ اس کا سبب اسراف و تبذیر اور ضیاع ہے۔ مزید براں معاشرے کے حاجت مند افراد کا جو جائز حق ہے اس کی عدم ادائیگی بھی افلاس کا سبب بنتی ہے جیسا کہ سیدنا محمد ﷺ نے فرمایا ''کوئی آدمی صرف اس وقت بھوکا مرتا ہے جب امیر آدمی تعیش سے کام لیتا ہے۔'' اسلام کا پاکیزہ اور خالص نظریہ ایسے معاشرے کا وجود پسند نہیں کرتا جو دولت مندوں اور محروم لوگوں پر مشتمل ہو اور جہاں لوگوں کی کثیر و بیشتر تعداد بھکاریوں کے درجہ تک پہنچ گئی ہو اور وہ قلیل تعداد پر مشتمل امراء سے زکوٰۃ اور خیرات مانگنے پر مجبور ہو۔ ایسا معاشرہ اسلام کے اخوت اور مساوات کے اصولوں کے بالکل متضاد ہے اور اس میں معاشرے کی حقیقی ترقی کا عمل رک جاتا ہے۔ یہ تصور مغربی سرمایہ داری اور جدید نوآبادیاتی نظام سے لیا گیا۔

اسلامی ریاست میں تمام خیراتی سرگرمیوں کا مقصد صرف یہ ہونا چاہئے کہ وہ صرف عارضی مدت کے لئے ہیں اور صحیح معنوں میں اسلامی معاشرہ کے قیام اور حالات کے پیدا ہوتے ہی ختم ہو جائیں گی۔ اگر بعض غیر معمولی حالات کی وجہ سے پورا معاشرہ تنگی و عسرت کا شکار ہو جائے (جیسا کہ مثال کے طور پر اسلام کے ابتدائی ایام میں مسلم معاشرہ کے حالات تھے) تو ایسی عسرت اور تنگ دستی' روحانی طاقت کا ذریعہ بن جاتی ہے اور مستقبل کی عظمت کی بنیاد ثابت ہوتی ہے۔ لیکن اگر کسی معاشرے کے موجود وسائل اس قدر بے ترتیب' بے ہنگم اور ناہموار طریقے سے منقسم ہوں اور اس کے نتیجہ میں بعض مخصوص گروہ بااثر ہوں اور زیادہ سے زیادہ وسائل پر قابض ہوں جبکہ عوام کی اکثریت اپنی تمام توانائیاں صرف ایک روٹی کے ٹکڑے کی تلاش میں صرف کر رہی ہو تو ایسے حالات میں غربت روحانی ترقی کی دشمن بن جاتی ہے حتیٰ کہ کبھی کبھار تو تمام معاشرے کو خدا خوفی اور خدا ترسی سے دور کر دیتی ہے اور روح کو تباہ کرنے والی مادیت کے شکنجے میں جکڑ دیتی ہے۔ پیغمبر اسلام رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ارشاد فرمایا کہ ''غربت بعض اوقات کفر میں بدل جاتی ہے۔'' تو یقیناً

یہی حقیقت ان کے پیش نظر تھی۔

اسلام ایسا دین مبین ہے جو تمام دنیاوی اعمال کو اخلاقی اعمال قرار دیتا ہے اور انسانی زندگی کے کسی عمل کے کسی بھی پہلو کو اخلاق اور روحانیت سے مبرا قرار نہیں دیتا۔ اقتصادی عمل کے دو پہلو ہیں' ایک انفرادی اور دوسرا معاشرتی۔ حقیقی اقتصادی قدر یہ ہے کہ ایک فرد اپنے افعال و اعمال کے ذریعے نہ صرف اپنے آپ کو ترقی دے اور اپنی نشو ونما کرے بلکہ اس کا فرض ہے کہ وہ معاشرے کی خوش حالی میں فعال کردار ادا کرے۔ اسلام دولت کی پیداوار اور اس کی ملکیت کا مخالف نہیں لیکن وہ ذخیرہ اندوزی کے سخت خلاف ہے۔ اسلام کے نزدیک بہترین عمل یہ ہے کہ جائز اور قانونی ذرائع سے دولت کمائی جائے اور اسے فوری طور پر اپنی ضروریات کے علاوہ سرمایہ کاری اور اچھے اچھے معاشرتی کاموں پر بھی صرف کیا جائے۔ لیکن اگر ایک اقتصادی نظام' دولت اور قدرتی وسائل کی ملکیت کی بدولت سماجی و معاشرتی امتیاز اور فرق کے ذریعے ایک طبقے کو دوسرے طبقے پر دائمی تسلط اور غلبہ فراہم کرنے کا باعث بنتا ہے تو ایسا اقتصادی نظام بنی نوع انسان کے لئے بہت بڑی لعنت ہے۔ اسلام اس کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔

یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ اکیسویں صدی کے اوائل میں امریکہ کا سرمایہ دارانہ نظام صیہونیوں کی سرپرستی میں ایک خونخوار عفریت بن کے عالم اسلام اور تیسری دنیا کے غریب ممالک پر طبعی اور نظریاتی طور پر ظالمانہ تشدد کے ساتھ حملہ آور ہو رہا ہے۔ ہم ایک طاقتور اور منہ زور سرمایہ دارانہ نظام کا مقابلہ ایک کمزور اور دست نگر سرمایہ دارانہ نظام سے نہیں کر سکتے۔ توسیع پسند' استحصالی سرمایہ دارانہ نظام کی بے پناہ یلغار کے سد باب کے طور پر جو بھی جدوجہد ہم کریں گے' مغرب بے دریغ ہم پر دہشت گردی کا الزام تھوپ دے گا۔

اسلام رنگ و نسل و زبان اور وطنیت کی نفی کر کے توحید کی بناء پر ایک روحانی الذہن قوم کی تشکیل کا خواہاں ہے۔ اسلام کا مقصد دنیا میں ظلم' خوف وحزن اور تصادم سے پاک معاشرہ کا قیام ہے' جس کے اہداف انسان کا زمین سے رشتہ معتدل کر کے اور اللہ سے رشتہ جوڑ کر' اس کے اندر دلسوزی' دردمندی' غمگساری اور انسان دوستی کے جذبات کو فروغ دینا اور توحید اور الخلق عیال اللہ کی اساس پر ایک انسان دوست معاشرہ کی تعمیر نو ہیں۔ ایک اللہ کی محبت ہمیں اس کی تمام مخلوق سے محبت کا درس دیتی ہے۔ اسلام کا مطمح نظر ایک توحیدی معاشرہ کا قیام ہے' جس میں معاشی طبقات کا وجود نہیں ہوتا۔ جب اللہ ہی قادر مطلق ہے تو کسی کو بھی کسی پر ظلم وستم کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ ایک توحیدی معاشرہ کا دارومدار عدل و احسان' احترام آدمیت' اخوت انسانی' اخلاق اور رواداری پر ہے۔ ایسے معاشرہ میں خوف وحزن کا کوئی نشان باقی نہیں رہتا' نہ انفرادی سطح پر اور نہ ہی قومی یا بین الاقوامی سطح پر۔

جب اللہ نے ہر ایک کے رزق کی ذمہ داری اپنے ذمہ لے رکھی ہے تو کسی کے لئے سرمایہ دارانہ یا جاگیردارانہ استحصال اور ارتکاز و احتکار کی گنجائش نہیں رہتی۔ قرآن ایک ایسے مثالی معاشرہ کی تعمیر کا خواہاں ہے' جس میں رہنے والے

ہر شہری کے راستے میں ماسوائے اس کی اپنی اہلیت اور خوف خدا کے کوئی رکاوٹ نہ ہو اور وہ اپنی زندگی میں وہ فضیلت اور مقام حاصل کر لے جس کا وہ خواہاں اور اہل ہو۔ ایسا معاشرہ صرف توحیدی اصولوں پر عمل پیرا ہو کر ہی قائم ہو سکتا ہے۔

مسلمانان عالم کا ایک مرکزی مسئلہ اسلام کے صحیح فہم اور تاریخ کے شعور کا ہے۔ درحقیقت دین محمد ﷺ ابھی تک مسلمانوں پر آشکار نہیں ہوا۔ اسلام کی روح سرمایہ دارانہ نظام کے منافی ہے جبکہ اسلام کا اشتراکیت کے ساتھ اختلاف محض عملیاتی ہے اور یہ ذاتی ملکیت کے متعلق ہے۔ بہرحال اسلام میں ذاتی ملکیت مشروط ہے فطری نہیں ہے۔ دور حاضر میں مسلمان ممالک کے گھمبیر مسائل کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ دنیا کے مراعات یافتہ سرمایہ دارانہ نظام نے اسلام کو اشتراکیت سے نبرد آزما کر کے' اسلام کا رشتہ سرمایہ کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ حالانکہ چاہئے تو یہ تھا کہ ہم اشتراکیت کے ساتھ مل کر سرمایہ دارانہ نظام کے ساتھ نبرد آزما ہوتے' کیونکہ سرمایہ دارانہ نظام ہی ابلیسی نظام ہے۔ بقول علامہ اقبال اسلام تکمیل نہیں بلکہ ایک تمنا اور آرزو ہے۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم اس تمنا اور آرزو کو حقیقت کی طرف گامزن کریں اور رسول اکرم ﷺ کے انسانی مساوات اور احترام آدمیت کے سہانے خواب کو پورا کر دکھائیں' جو آج بھی بلاد اسلامیہ کی اداس گلیوں میں اپنی تعبیر کی تلاش میں سرگرداں ہے۔

(بشکریہ روزنامہ نوائے وقت' 9,8,6 دسمبر 2003ء)

طلوع اسلام:۔ (فاضل مضمون نگار نے اپنے مضمون میں اشتراکیت اور اسلام کے مابین تعاون کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ یہ مضمون نگار کے ذاتی خیالات ہیں' جن سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم ڈاکٹر سید عبدالودود (مرحوم)

طلوعِ اِسلام نے کیا دیا؟

[یہ وہ حقیقت کشا اور حیات انگیز خطاب ہے جو 19 اپریل 1959ء کی شب کو ڈاکٹر سید عبدالودود صاحب ایم۔سی مرحوم ومغفور نے طلوع اسلام کنونشن میں دیا۔ خلوص میں ڈوبی ہوئی مردِ مجاہد کی یہ آواز ایوان کو فکر ونظر کی ان گہرائیوں میں لے گئی جہاں زندگی، اس کے مقاصد، اور جانکاہ فرائض بے نقاب ہو کر نگاہوں کے سامنے آتے ہیں۔ خود پرویز صاحب اس خطاب کے دوران میں تاثر میں ڈوبتے چلے گئے اور خطاب کے خاتمے پر نعرۂ تحسین بلند کرتے ہوئے اسٹیج پر آئے اور ڈاکٹر صاحب کو ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ ملت قابل مبارک ہے کہ اس میں ایسے فکر خالص رکھنے والے مرد مجاہد موجود ہیں اور یہ کہ وہ خود کو بالخصوص قابل مبارکباد سمجھتے ہیں کہ ان کے پیش کردہ قرآنی فکر کے سمجھنے والوں میں ڈاکٹر موصوف جیسے مخلص اور مجاہد بھی شامل ہیں۔]

جن اصحاب کو طلوع اسلام کے ساتھ دلچسپی ہے میں ان سے اکثر سوال کرتا ہوں کہ طلوع اسلام کے لٹریچر میں وہ کونسی چیز ہے جو آپ کو پسند ہے۔ مختلف لوگوں کے مختلف جواب ہوتے ہیں۔ بعض بہنیں یہ کہتی سنی گئی ہیں کہ ''طاہرہ کے نام خطوط'' میں جو عائلی زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے وہ بے نظیر ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ''سلیم کے نام خطوط'' کا انداز بڑا دلکش ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ''انسان نے کیا سوچا'' میں بڑی محنت سے کام لیا گیا ہے۔ اکثریت ان احباب کی ہے جو ''نظام ربوبیت'' کے دلدادہ ہیں۔ ایک صاحب نے جو طلوع اسلام کی اکثر مخالفت کرتے ہیں لیکن جب مجھ سے ملتے ہیں تو انداز گفتگو ذرا مختلف ہوتا ہے کہا کہ ہاں ''معراج انسانیت'' میں جو مستشرقین کی آراء رسول اللہ ﷺ کے متعلق اکٹھی کی گئی ہیں وہ بڑی دلچسپ اور قابل داد ہیں۔ ایک صاحب نے الٹا مجھ پر سوال کر دیا کہ تم خود بتاؤ کہ تمہیں طلوع اسلام کی کونسی ادا پسند ہے۔ میں نے کہا کہ مجھے جس چیز نے سب سے پہلے اور سب سے زیادہ Attract کیا وہ اسلامی نظام کا نقشہ اور پھر نظامِ ربوبیت ہے لیکن میرے خیال میں یہ بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ جو کچھ ہم کہتے ہیں یہ صرف ہماری اپنی اپنی میلان طبع کا اظہار ہے۔ بہتی ندی میں سے ہر ایک اپنی اپنی Capacity کے مطابق چلو بھر لیتا ہے ورنہ انسانی زندگی کا وہ کونسا پہلو ہے جس پر قرآن نے روشنی نہیں ڈالی اور قرآن کا وہ کونسا گوشہ ہے جسے طلوع اسلام نے بے نقاب نہیں کیا۔ میرا اندازہ ہے کہ طلوع اسلام کا قوم پر جو سب سے بڑا احسان ہے وہ یہ ہے کہ اس نے قوم کو Clear Thinking دی ہے۔ حضرات! آپ کو

قائداعظم کا وہ واقعہ یاد ہوگا جب تقسیم ملک سے پہلے وہ ایک مرتبہ نواب بھوپال سے ملنے گئے۔ واپسی پر نواب صاحب نے قائداعظم کے ہمراہ اپنے ایک سیکرٹری مسٹر سین کو بھیجا۔ راستہ میں اس شخص نے قائداعظم سے سوال کیا کہ جناب ملک کی فضا اس وقت خراب ہے ہر طرف افراتفری اور سیاسی بے چینی پائی جاتی ہے۔ آپ کے خیال میں اس کی وجہ کیا ہے؟ قائداعظم نے کہا کہ مسٹر سین آپ خود ہی بتائیے کہ آپ کے خیال میں اس کی کیا وجہ ہے۔ مسٹر سین نے کہا کہ جناب میرے خیال میں قوم کے اندر Clear Thinking نہیں رہا۔ قائداعظم نے فوراً پلٹ کر جواب دیا کہ مسٹر سین میں اس وقت سیدھا بمبئی جا رہا ہوں۔ اگر واپس نواب صاحب کے پاس جانا ہوتا تو ان سے کہتا کہ وہ آپ کو ایک بہت بڑی جاگیر بخش دیں۔ حضرات! قوم کے اندر Clear Thinking کا پیدا ہونا کوئی معمولی واقعہ نہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ آج فضا بدل رہی ہے۔ بڑی تیزی سے نہ سہی بہرحال بدل رہی ہے۔ آپ پریس اور پلیٹ فارم پر تحریروں اور تقریروں کے انداز سے سمجھ رہے ہیں کہ آج سے چار پانچ سال پیشتر کی فضا کیا تھی اور آج کیا ہے۔ اس وقت ملک کا Intelligentsia اسلامی ریاست کے تصور سے کانپتا تھا۔ اخبارات میں کھلم کھلا 'اسلامی ریاست' کے خلاف مضامین شائع ہوتے تھے اور لوگوں کے مزاج میں بڑی تندی تھی۔ مثال کے طور پر میں عرض کرتا ہوں کہ 55ء میں جس وقت ہماری دوسری آئین ساز اسمبلی ایک اسلامی آئین بنانے کی ناکام کوشش میں مصروف تھی' لاہور کے ایک انگریزی ہفتہ وار نے جو کچھ لکھا تھا میں اس کے اقتباسات پیش کرتا ہوں۔ اس سے آپ حضرات اندازہ لگا سکیں گے کہ اس وقت اسلامی آئین کی مخالفت کی شدت کس قدر تھی۔ اس اخبار نے لکھا کہ یہ اسلامی ریاست ہے کیا؟ اور اس کی تعریف کیا ہے؟ اس کے اثرات کیا ہوں گے؟ کیا یہ موجودہ جمہوری تقاضوں کو پورا کر سکے گی؟ پھر لکھا کہ یہ اسلامی ریاست کے تصور ہی کے طفیل ہے کہ عرصہ آٹھ سال سے ملک کا آئین تیار نہیں ہو سکا۔ اس اسلامی ریاست کے تصور نے دنیا کے سامنے ہمیں اضحوکہ بنا کر رکھ دیا ہے اور باہر کی دنیا کو ہم کیسے جھٹلا سکتے ہیں جب وہ ہمیں Sentimental Fools یعنی جذباتی بے وقوف کہہ کر پکارتے ہیں اور ہمیں Religious Extremists یعنی مذہبی انتہا پسند کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پاکستان ایک ایسا ملک ہے جہاں مذہبی دیوانگی خوراک ہے۔ کٹرپن وہاں کا قاعدہ ہے اور مذہب لوگوں کی افیون ہے۔

Fanaticism is the food, orthodoxy the rule and religion the dope.

پھر اس نے لکھا کہ ہم مذہبی بحثوں میں اس قدر الجھے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کو کافر بنانے میں اس قدر مست ہیں کہ ہم دنیا کے دیگر مسائل سے بے گانہ ہو چکے ہیں۔ فلاں چیز اسلامی ہے اور فلاں غیر اسلامی۔ فلاں مسلمان ہے اور فلاں کافر۔ اس کے سوا دنیا میں ہمیں کچھ سوجھتا ہی نہیں اور ہماری نظر مذہبی دیوانگی پر ایسی جمی ہوئی ہے کہ ہم کبھی اسلام کے پیروؤں کو دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے اور ہم اپنے باپ داداؤں کے کارناموں پر اس قدر مست ہیں کہ ہمیں مستقبل کی خبر نہیں۔ اس نے پھر لکھا کہ ہمارا اسلامی سال بھی رونے پیٹنے سے شروع ہوتا ہے اور کوئی دھیان نہیں دیتا کہ اس رونے پیٹنے سے ہمارا مطلب کیا ہے۔ اگر ہم نے رونا ہے تو کیوں نہ ہم ان پاکستانی مسلمانوں کے لئے روئیں جو مر مر کر زندہ رہ رہے ہیں۔ جو روٹی کے ٹکڑوں اور چیتھڑوں کے لئے ترس رہے ہیں اور کیوں نہ ان

کے لئے روئیں جو کام کرنا چاہتے ہیں لیکن کام نہیں ملتا اور ان بچوں کے لئے روئیں جو تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن اس لئے نہیں کر سکتے کہ وہ زندہ باپ کے یتیم بچے ہیں اور اگر ہم نے ٹسوے بہانے ہیں تو کیوں نہ ان مریضوں کے لئے بہائیں جنہیں نہ دوا میسر ہے نہ خوراک اور کیوں نہ ان لولے لنگڑوں کے لئے بہائیں جو خستہ حالت میں سڑکوں پر پڑے ہیں۔ پھر لکھا کہ مذہبی ریاست کا تصور ہمیں وہاں لے آیا ہے جہاں ہم انسانوں کی طرح رہنا بھول چکے ہیں۔ یہ اسلامی ریاست کی تلاش جنگی بطخ کے شکار سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ پہلی آئین ساز اسمبلی کے بنیادی اصولوں کی سفارشات کے متعلق اس نے لکھا کہ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے مصنفوں کو یقین ہے کہ موجودہ جمہوری اصول پاکستان کے لوگوں کے موافق نہیں۔ یہ مسودہ پاکستان کی ذلت اور جمہوریت کی توہین ہے اور آنے والی نسلوں کے لئے ایک چیلنج ہے۔ انسانی حقوق کی نفی ہے اور آزادی کے منہ پر ایک تھپڑ ہے۔ یہ دوبارہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑنے کی ایک مکارانہ چال ہے۔ یہ دوغلی دستاویز ہے جس میں ہر ایک اچھی چیز غائب ہے اور ہر بری چیز کی نقل ہے۔ لوگ ان دقیانوسی چیزوں کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ چاہے انہیں اسلامی کہا جائے یا غیر اسلامی۔ ہم نے غیر ضروری طور پر اسلام کے گھوڑے کو اپنی سیاسی گاڑی کے آگے جوت رکھا ہے۔ حضرات! یہ تھے آج سے چار سال پہلے کے خیالات جو تعلیم یافتہ پاکستانی نوجوانوں کی ترجمانی کرتے تھے۔ اس سے آپ حضرات اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس طبقہ کی اسلام سے برگشتگی ملا ازم کے خلاف کتنا بڑا Reaction ہے۔ ملا کی پریشاں خیالی کا Reaction بھی کتنا پریشان کن ہے۔ یہ تھی وہ فضا جس کو درست کرنے میں طلوع سلام مسلسل کئی برسوں سے مصروف کار ہے۔ اسی اخبار میں جس کا میں ذکر کر چکا ہوں آرٹیکل شائع ہوتے رہے جو طلوع اسلام کے خیالات کی ترجمانی کرتے رہے اور دو اور دو چار کی طرح بتاتے رہے کہ اسلامی ریاست کے متعلق جو گھناؤنا تصور پیش کیا جاتا ہے وہ کس قدر غلط ہے جس چیز کو اسلام کہہ کر پکارا جاتا ہے وہ دراصل اسلام سے کس قدر دور ہے۔ وہ ایک پردہ ہے جو اسلام اور مسلمان قوم کے درمیان حائل ہے۔ وہ اسلام کے جسم میں ایک بہتا ہوا ناسور ہے جو اسے نڈھال کر رہا ہے اور یہ کہ اسلام پوجا پاٹ کا معاملہ نہیں۔ یہ اجتماعی زندگی کا نام ہے۔ یہ ایک سوشل آرڈر ہے۔ یہ سوشل آرڈر کی بجائے مذہب میں تبدیل اس وقت ہوا جب اس کی مرکزیت جاتی رہی۔ جب رسول ﷺ کا Successor کوئی باقی نہ رہا۔ جب امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے والا امت کا کوئی نمائندہ باقی نہ رہا جب Church and State دو جدا جدا Institutions بن گئے۔ یہ پھر سے سوشل آرڈر بن سکتا ہے۔ اگر مرکزیت لوٹ آئے۔ اگر رسول کے Succession کے سلسلہ کو پھر سے قائم کر دیا جائے۔ اگر پیشوائیت جو اپنی طبعی موت مر رہی ہے اسے دفن کرنے کا جلد انتظام کیا جائے۔ پھر بتایا کہ اسلامی آئین بنانا کس قدر آسان ہو جاتا ہے اگر اس بنیادی اصول کو تسلیم کر لیا جائے کہ Islamic Social Order درحقیقت Permanance اور Change کے حسین امتزاج کا نام ہے۔ اگر اپنے موجودہ مسائل کی جزئیات کو قرآن کے غیر متبدل اصولوں کی چار دیواری کے اندر باہمی مشاورت سے طے کیا جائے۔ پھر بتایا کہ اسلامی طرزِ زندگی اور غربت و افلاس ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ جہاں غربت وافلاس بے کسی اور بے بسی ہے

وہاں اسلام نہیں۔

حضرات! لاہور کے پبلک جلسوں میں آج سے چند سال پیشتر کھلم کھلا زمینداروں اور جاگیرداروں کی حمایت کی جاتی تھی۔ بڑے بڑے قارونوں کی حمایت میں ہامان بڑی بے حیائی سے اپنا So-called اسلام پیش کرتے تھے اور مترفین اپنی انجمنوں کے نام بڑے دلکش، مثلاً شرعی زرعی اصلاحات وغیرہ وغیرہ رکھتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مترفین کا گروہ اسلام کا پیدا کردہ ہے۔ اور صرف اسی ایک وجہ سے ہمارا مغرب زدہ تعلیم یافتہ طبقہ اسلام سے متنفر ہوتا چلا جا رہا تھا۔ لیکن جب پبلک جلسوں میں نظام ربوبیت پیش ہونے لگا تو باوجود اس کے کہ یہ نقار خانے میں طوطی کی آواز تھی لوگوں نے کھڑے ہو کر کان لگانا شروع کیا کہ یہ نئی چیز کیا ہے۔ آہستہ آہستہ عوام کی طرف سے یہ مطالبات بھی ہونے شروع ہو گئے کہ وہ اس آواز کو بار بار سننے کے خواہشمند ہیں۔ اخبارات میں جب اِکے دُکے مضامین اس موضوع پر نکلنے شروع ہوئے تو لوگوں نے اس میں دلچسپی لی۔ گذشتہ دو ایک سالوں میں محترم پرویز صاحب کے دورے جو ملک کے اس حصے میں ہوئے ان کا بھی نہایت خوشگوار اثر ہوا۔ آج ملک کے چوٹی کے اخبارات باوجود اس کے کہ یہ آواز ان کی پالیسی کے مطابق نہیں بادل ناخواستہ ہی سہی اس میں حصہ ضرور لیتے ہیں۔ آج ملک کا Intelligentsia کم از کم یہ کھڑا ہو کر سوچنے ضرور لگا ہے کہ یہ آواز کیا ہے۔ یا کم از کم ان کے جذبات میں اسلام کے خلاف وہ تندی موجود نہیں جو پہلے تھی۔ مجھے ایسے لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا جنہیں میں بڑی مدت سے جانتا ہوں وہ ایسے لوگ تھے جو اسلام کے نام سے بڑے بیزار تھے۔ لیکن اب وہ کم از کم اس مرحلہ سے نکل چکے ہیں جس میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ اسلامی ریاست کا تصور جنگلی بطخ کے شکار سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ یہ تھوڑی بہت تبدیلی اس لئے ہے کہ قوم کے سامنے ایک واضح چیز پیش کی جا رہی ہے جس میں نہ الجھاؤ ہے اور نہ پریشان خیالی۔ لیکن حضرات! میں آپ کو اس غلط فہمی میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا کہ طلوع اسلام کا مشن بڑا کامیاب ہو چکا ہے۔ اس حد تک تو کامیاب ہے کہ ایک خوشبو ہے جو پھول سے باہر آ چکی ہے لیکن اس مشن کو کامیاب بنانے کے لئے ابھی بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ اس قسم کے کام Single-handed نہیں ہو سکتے۔ ایک مفکر اپنی دھن میں لگا ہوتا ہے وہ افکار کی دنیا میں بستا ہے اور ان کو دنیا کے سامنے پیش کرتا جاتا ہے۔ ان افکار میں اگر صلاحیت موجود ہو تو وہ اپنے اثرات خود بخود چھوڑ جاتے ہیں لیکن مفکر بذات خود اس سے بے نیاز ہوتا ہے کہ کون اس کی طرف توجہ دیتا ہے اور کون نہیں۔ جو لوگ ان افکار سے اتفاق رکھتے ہیں اور اس مفکر کے ہم سفر بننے کا ارادہ رکھتے ہیں یہ ان کا کام ہے کہ اس ذمہ داری کو اپنے کندھوں پر لیں۔ اور اس کے پیغام کو عام کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں۔ ان Ideals کو اپنانے کے بعد ان کا کام صرف یہی نہیں رہ جاتا کہ کتابیں پڑھتے رہیں۔ لیکچر سنتے رہیں اور خراج تحسین ادا کرتے رہیں۔ یہ بقول شخصے ذہنی عیاشی کے سوا کچھ نہیں۔ جو لوگ محترم پرویز صاحب کے رفیق کار بننے کے متمنی ہیں ان کے لئے لازم ہے کہ اس مشعل کو جو انہوں نے ان کے ہاتھ میں دی ہے لے کر ملک کے گوشے گوشے میں پھیل جائیں اور اگر اور جب ممکن ہو سکے ملک کے باہر بھی اس روشنی کو پھیلائیں۔ حضرات! اگر ارادہ مضبوط ہو اور آنکھیں کھلی ہوں تو قدرتی طور پر ایسے مواقع ابھر ابھر کر سطح پر آتے رہتے ہیں جن سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ پریس، پلیٹ فارم و دیگر ممکن ذرائع سے

فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے لیکن افسوس کہ طلوع اسلام کی بزموں نے ابھی تک اس بات کی اہمیت کو محسوس نہیں کیا۔ آپ حضرات میں اکثریت ان احباب کی ہے جو اچھے پڑھے لکھے ہیں اور ایسے بھی ہیں جو اچھا لکھ سکتے ہیں۔ اچھا بول سکتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ پریس میں اہمیت اس چیز کو حاصل ہوتی ہے جو حالات حاضرہ کے مطابق ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ شاید ہی کوئی ایسا ملکی مسئلہ ہو جس پر قرآن کی روشنی میں تبصرہ کی ضرورت نہ ہو۔ ایک سنجیدہ تبصرہ کا ہر اخبار خیر مقدم کرتا ہے اور حکومت وقت بھی اس چیز کی خواہشمند ہے کہ تعمیری تبصرہ پبلک کی طرف سے پریس میں آئے۔ چنانچہ مواقع بے شمار ہیں' صرف ارادہ' ہمت اور استقلال کی ضرورت ہے۔ میں گذارش کر چکا ہوں کہ یہ کام Single-hand کرنے کا نہیں۔ اشد ضروری ہے کہ چند ذہین اور باہمت نوجوان اپنی زندگی اس کے لئے وقف کریں۔ ادارہ میں کچھ عرصہ زیر تربیت رہیں اور اس کے بعد ملک کے گوشوں میں پھیل جائیں۔ محنت مشقت اور جان و مال کی قربانی کے بغیر حضرات! کوئی کام پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا۔

اور یہ بھی اشد ضروری ہے کہ شہروں کے علاوہ دیہات کی طرف توجہ دی جائے۔ اس کے لئے سستے اور عام فہم لٹریچر کو پھیلانے کی ضرورت ہے۔ یہ سب کچھ آپ نے کسی ذاتی یا سیاسی مقصد کے لئے نہیں کرنا' بلکہ ایک دینی فریضہ ادا کرنا ہے۔

حضرات! میں گذارش کر چکا ہوں کہ طلوع اسلام کا قوم پر بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے قوم کو Clear Thinking دی ہے۔ طلوع اسلام کی تعلیم کا' جو دراصل قرآن ہی کی تعلیم ہے ایک نمایاں اور مفید ترین پہلو یہ ہے کہ یہ فرقہ پرستی کے خلاف ہے اور اس نے ایسا فارمولا قوم کے سامنے رکھا ہے جس سے یہ بات دو اور دو چار کی طرح نکھر کر سامنے آ جاتی ہے کہ قوم کے اندر وحدت پیدا کرنے کا طریق کیا ہے۔ میں اس وقت نظریات پر بحث نہیں کر رہا کیونکہ یہ چیزیں آپ حضرات کے سامنے تفصیل کے ساتھ آ چکی ہیں کہ قرآن فرقہ پرستی کے بارے میں کیا کہتا ہے۔ محترم پرویز صاحب نے نہ صرف از روئے قرآن فرقہ پرستی کو شرک ثابت کیا ہے بلکہ فرقہ پرستی کی لعنت کو دور کرنے کے لئے طریق کار بھی متعین کیا ہے جب انہوں نے کہا کہ یہ ممکن نہیں کہ پہلے فرقے ختم ہوں اور پھر اسلامی آئین بنے بلکہ پاکستان کے آئین میں یہ شق داخل کی جائے کہ فرقہ پرستی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس قبرستان میں دفن کیا جاتا ہے جس میں آج کل مرحوم سیاسی پارٹیاں مدفون ہیں۔ لیکن میرا مقصد اس وقت صرف یہ گذارش کرنا ہے کہ یہ ایک ایسی چیز ہے جو صدیوں کے بعد مسلمان کے سامنے پھر سے بے نقاب ہو کر آئی ہے اور یہ وہ سچائی ہے کہ آج نہیں تو کل بالآخر امت مسلمہ کو اس پر آنا پڑے گا اور فرقہ پرستی اپنی طبعی موت مر کے رہے گی اور یہ وہ دن ہوگا جب قوم کا ہر فرد محترم پرویز صاحب کا شکر گزار ہوگا اور یہ دن قوم کی زندگی میں سنگ میل کی حیثیت رکھے گا۔ حضرات! اس ضمن میں ایک گزارش آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں جو میرے خیال کے مطابق بڑی اہم ہے۔ اس برصغیر میں بہت سی سیاسی اور غیر سیاسی تحریکیں اٹھیں۔ ان میں سے ایسی تحریکیں بھی تھیں جو بڑے نیک مقاصد لے کر اٹھیں۔ ابتداء میں ہر ایسی تحریک پوری قوم کی تحریک بن کے ابھری۔ فرقہ پرستی کے خلاف رہی۔ لیکن رفتہ رفتہ سمٹ سمٹا کر خود ایک فرقہ بن کے رہ گئی اور اس شدت سے فرقہ بنی کہ اپنے اندر سوائے ان لوگوں کے جو پہلے سے موجود تھے کسی دوسرے کا وجود برداشت نہیں کرتی تھی۔ مجھے ان چیزوں کا ذاتی

تجربہ ہے۔ میرا اپنا اندازہ ہے کہ اس برصغیر میں جو مفکرین گزرے ہیں ان میں علامہ اقبال مرحومؒ نے بڑی عقلمندی سے کام لیا۔ اس لئے کہ وہ اپنے فکر کو عام کرتے گئے لیکن انہوں نے کوئی الگ جماعت نہیں بنائی۔ ایک تنظیم مقصود بالذات نہیں ہونی چاہئے بلکہ ایک مقصد کے حصول کا ذریعہ ہونا چاہئے۔ ہم خیال اصحاب کا کبھی کبھی مل بیٹھنا ضروری بھی ہے اور فرحت بخش بھی۔ لیکن یہ اجتماعات صرف حصول مقصد کے لئے ہونے چاہئیں۔ گزشتہ چند مہینوں میں محترم پرویز صاحب کے ہاں ہر جمعہ کی شام کو ایک کلاس ہوتی تھی جس میں مختلف قرآنی مسائل پر تبادلۂ خیال ہوتا تھا۔ چونکہ اس کلاس کا وقت تین بجے شام یعنی جمعہ کی نماز کے فوری بعد ہوتا تھا۔ اس لئے ایک صاحب نے تجویز پیش کی کہ جمعہ کی نماز شہر میں پڑھنے کی بجائے یہیں (یعنی پرویز صاحب کے مکان پر) پڑھ لیا کریں۔ پرویز صاحب نے فوراً جواب دیا کہ ہاں' مسجد قریب ہے یہاں آ کر پڑھ لیا کریں۔ بات بظاہر بڑی چھوٹی سی تھی اور آئی گئی ہوگئی لیکن دراصل ایک بہت بڑے راز کی حامل تھی۔ حضرات! اگر ہم نے جمعہ کی نماز کا اجتماع الگ شروع کر دیا تو سمجھئے کہ فرقہ بندی کی طرف پہلا قدم اٹھ گیا۔ چنانچہ یہ بڑی اہم بات ہے کہ تعلیمی اور مشاورتی امور کے علاوہ ہم ہر مسجد اور ہر سوسائٹی میں پھیل جائیں اور کوئی مسلمان چاہے اسے نظریات سے اختلاف ہی کیوں نہ ہو ہم سے دوری محسوس نہ کرے۔

حضرات! گزشتہ چند صدیوں میں سائنس نے ہر شعبہ میں بے انداز ترقی کی ہے۔ جہاں اس کے اکثر شعبے ایسے ہیں جو انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے ممد و معاون ثابت ہوئے ہیں وہاں چند شعبے ایسے بھی ہیں جن کی ترقی سے انسانیت کے لئے بڑے خطرات پیدا ہو گئے ہیں اور ان کے بھروسے پر ایک قوم دوسری قوم کو تباہ کرنے پر تلی بیٹھی ہے۔ انسان آج ستاروں کی دنیا سے آگے جانے کی فکر میں ہے لیکن انسانیت کے مسائل ابھی جوں کے توں پڑے ہیں اور انسان کی عظیم سائنٹفیک جدوجہد کا ماحصل ناکامی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ اس لئے ذہن انسانی آج بڑی کشمکش میں مبتلا ہے۔ تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو دو چیزیں ایسی نظر آئیں گی جن کا انسان کے درجۂ انسانیت کو بلند کرنے میں بڑا حصہ ہے۔ مذہب اور سائنس۔ جس وقت بھی دنیا پر تاریکی چھائی کوئی نہ کوئی نبی مشعل راہ لے کر نمودار ہوا۔ سوسائٹی کی اصلاح کی۔ جہالت کو دور کیا نسلی اور جغرافیائی حدود کو توڑا اور انسانیت کو کامیابی اور سربلندی کا راستہ دکھایا۔ لیکن آج کا مذہب جہاں انسانی ذہن پر زنگار کا کام دے رہا ہے وہاں سائنس سے بھی سوائے Perversion کے کچھ زیادہ حاصل نہیں ہوتا اس لئے کہ انسان پھر اس حقیقت کو فراموش کر چکا ہے کہ **کان الناس امة واحدة**۔ مذہب آج کیوں بے اثر بن کر رہ گیا ہے۔ آج بیسویں صدی کے علم کے پیاسے اور طاقت کے بھوکے انسان کو کیوں مذہب سے رغبت نہیں رہی؟ اس لئے کہ مسلمان کی تراشیدہ ڈاڑھی۔ گرجے کی گھنٹی اور برہمن کی مالا میں ایک Scientific Mind کے لئے کوئی جاذبیت موجود نہیں۔ اس لئے آج کا سائنٹسٹ مذہب کو ایک بے حقیقت شے سمجھتا ہے۔ دوسری طرف اہل مذہب کے نزدیک سائنس ایک ایسی شے ہے جس نے انسان کو خدا سے دور کر دیا ہے۔ لیکن آج اہل مذہب کا اہل سائنس کے خلاف آواز اٹھانا چاند پر تھوکنے کے مترادف ہے۔ کیونکہ ایسی طاقت جس نے ارتقائے انسانی میں ایک بڑا اہم رول Play کیا ہو اسے گھٹیا قرار دینا اور اس کی مخالفت کرنا سوائے حماقت کے اور کیا ہے بالخصوص جب مخالفت ایک ایسے فریق کی

طرف سے ہو جس میں ایک مذہب دوسرے کے خلاف' ایک مذہب کا ہر فرقہ دوسرے کے خلاف اور ایک فرقے کے افراد کا انداز فکر الگ الگ ہو۔ دوسری طرف سائنس جس کے اصولوں کی حیثیت Universal ہو' جس میں ہر اصول کو ایک کسوٹی پر پرکھا جائے اور ساری سائنٹیفک دنیا اسے بیک وقت اپنائے' تو ایسی صورت میں اہل مذہب اہل سائنس کے آگے کیسے ٹھہر سکتے ہیں اس کا نتیجہ Intelligentsia کے اندر مذہب سے بیزاری ہے۔ گو اہل مذہب جہلاء کے اندر اب بھی اندھے کی لاٹھی گھمائے چلے جا رہے ہیں۔ حضرات ایسے دور میں جب کہ Science Vs Religion کا یہ عالم ہو اور ان دونوں کے اختلافات کو Exploit کرنے کے لئے Petty-minded politician اپنے پورے حربے استعمال کر رہا ہو۔ طلوع اسلام کا یہ کھول کھول کر بیان کرنا اور از روئے قرآن ثابت کرنا کہ اسلام مذہب نہیں ہے بلکہ ایک Social Order ہے اس سوشل آرڈر کی Structure کیا ہے۔ سائنس کا مقام اس سوشل آرڈر میں کیا ہے۔ سائنس کی تحقیقات کس طرح عین دین کے مطابق ہیں اور ان تحقیقات کو جب قرآن کی دی ہوئی مستقل اقدار کی روشنی میں Apply کیا جائے تو یہ کس طرح انسانیت کی تباہی کے بجائے انسانیت کے لئے باعثِ رحمت بن جاتی ہیں۔ یہ طلوع اسلام کی تعلیم کا بڑا روشن پہلو ہے جس پر جس قدر بھی ناز کیا جائے کم ہے۔ اے کاش ہمارے پاس اتنے وسائل موجود ہوں کہ ان نظریات کو دنیا کے سامنے اس انداز سے رکھ سکیں جس کے یہ مستحق ہیں۔

طلوع اسلام نے قرآن کے اکثر ایسے گوشوں کی طرف توجہ دلائی ہے جو اگر ساری امت کے سامنے بے نقاب ہو جائیں تو جس بھنور میں اس کی کشتی صدیوں سے پھنسی ہوئی ہے اس سے نکلنے کا فوری راستہ مل سکتا ہے۔ یہ طلوع اسلام ہی تھا جس نے قرآن کی روشنی دکھا کر زمین پر ذاتی ملکیت کے تقدس کو ملیامیٹ کر دیا۔ یہ طلوع اسلام ہی تھا جس نے اس حقیقت کو جو حرف قل العفو میں پوشیدہ تھی نمودار کیا۔ یہ طلوع اسلام ہی تھا جس نے Islamic Ideology کے خط و خال واضح طور پر قوم کے سامنے رکھے۔ درآنحالیکہ قوم کا کوئی بڑے سے بڑا تیس مارخاں پاکستان بننے کے بعد یہ نہ بتا سکا کہ آخر اس مملکت کے حصول کا مدعا کیا تھا۔ ''پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ'' کے نعرے کا مفہوم اگر کسی نے قوم کے سامنے رکھا تو طلوع اسلام اور صرف طلوع اسلام تھا۔ وحدت امت کا مفہوم اگر کسی نے قوم کو سمجھایا تو وہ طلوع اسلام تھا۔ یہ تخیل کہ فرد اپنی تمام صلاحیتوں کو نہ صرف اپنی پرورش بلکہ امت کی پرورش کے لئے صرف کرے۔ اگر فرد ایسا نہیں کرے گا تو نہ صرف اس کی اپنی بلکہ پوری ملت کی ارتقاء رک جائے گی۔ کس قدر حسین اور بلند تخیل ہے اور نوع انسانی کی مشکلات کا کتنا بڑا حل ہے۔ یہ نظریہ کہ بنیادی ضروریات زندگی کا پورا کرنا اسلامی مملکت کا فریضہ ہے۔ یہ کہ عدل کا مفہوم ہر فرد کی نشوونما کے پورے مواقع بہم پہنچانا ہے اور احسان کا مفہوم جہاں کسی فرد کی نشوونما میں کمی رہ جائے اس کو پورا کرنا ہے۔ انسان کی اجتماعی زندگی کا کتنا انقلاب انگیز پہلو ہے یہ کہ اسلامی مملکت میں مقصود بالذات مستقل اقدار کا تحفظ ہے اور یہ کہ Secular State کا مقصود ملک اور قوم کا تحفظ ہے چاہے اس مقصد کے حصول کے ذرائع کچھ بھی ہوں۔ یہ کہ خدا پر ایمان لانے کے لئے اپنی ذات پر ایمان لانا ضروری ہے۔ یہ کہ انسانی بچہ محض انسانی بچہ ہونے کی وجہ سے واجب التکریم ہے۔ یہ کہ ہر شخص کے

مدارج اس کے ذاتی جوہر اور کام کی رو سے مقرر ہوتے ہیں۔ یہ کہ سب سے زیادہ واجب التکریم وہ ہے جو قانون خداوندی کا سب سے زیادہ پابند ہو۔ یہ کہ کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں کہ دوسرے سے اپنا حکم منوائے حکم صرف اللہ کا ہے۔ یہ کہ کتاب کی وارث ساری امت ہے چنانچہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ساری امت کا فریضہ ہے۔ یہ کہ عملی انتظام کی سہولت کے لئے امت اپنے میں سے بہترین افراد کو اپنا نمائندہ بنا کر **فیکم رسول** کے سلسلے کو قائم رکھتی ہے۔ اور یہ کہ رسول ﷺ کی زندگی کے بعد **فیکم رسول** سے مراد ملت کی مرکزی Authority ہے جو رسول کا فریضہ یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر ادا کرتی ہے اور یہ کہ رسول کے بعد صرف مرکز ملت کو حق حاصل ہے کہ دینی امور میں فیصلہ دے اور یہ کہ پیشوائیت کی Institution کا دین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں یہ دورِ ملوکیت کی پیداوار ہے۔ کتنے بڑے حقائق ہیں جن سے اگر قوم کو کسی نے آشنا کیا تو صرف طلوع اسلام نے کیا۔

دوسری طرف قرآن کا یہ گوشہ کہ وحی کا سلسلہ صرف انبیاء تک محدود ہے۔ اور یہ کہ عام انسانوں کا تعلق صرف خدا کے قانون کے ساتھ ہے، براہ راست خدا کے ساتھ نہیں۔ یہ ان تمام چور دروازوں کو بند کر دیتا ہے جن کے ذریعہ خود ساختہ نبی، اولیاء، پیر فقیر حشرات الارض کی طرح نمودار ہوتے ہیں اور ملت کے جسم کے ساتھ جونکوں کی طرح چمٹ کر اس کا خون چوس چوس کر نڈھال کرتے رہتے ہیں۔ طلوع اسلام کی آواز سب سے پہلی آواز ہے جس نے تاریخ کے ان بھیانک پردوں کو تار تار کیا جن کے اندر صدیوں سے اسلام چھپا تھا۔

حضرات! یہ بڑی اہم چیزیں ہیں۔ یہ قرآن کے گوشے بڑی مدت کے بعد بے نقاب ہو کر سامنے آئے ہیں۔ اللہ کا احسان ہے کہ ہم لوگ اس دور میں پیدا ہوئے جب قرآن کی روشنی پر سے بادل چھٹنے شروع ہو گئے ہیں۔ جب قرآن مسجد کے طاقوں اور غلافوں کے اندر سے نکل کر Intelligentsia کے Study-rooms میں پہنچنا شروع ہو گیا ہے۔ اسے ملتِ اسلامیہ پر پھر سے بہار کا آغاز سمجھئے۔ لیکن پھول کھلنے تب شروع ہوں گے جب ہم سب مل کر ہمت اور استقلال کے ساتھ قدم آگے بڑھائیں گے۔ جب ہم اپنی حالت خود بدلنے پر آمادہ ہو جائیں گے تو رحمتِ ایزدی یقیناً ہمارے شاملِ حال ہوگی۔ والسلام۔

BASIC PROBLEM WITH PERVEZ'S THOUGHTS

By

Bashir Ahmed Abid

==========

Sometime ago, on these forums some learned members have expressed their views about Pakistan's most controversial Islamic scholar Mr. Ghulam Ahmed Pervez. First of all, I thank them for the critical analysis of Pervez's thoughts with concrete examples from his books.

Unfortunately, most of Pervez's critics blame him without referring to his work. Their comments often lack in depth, clarity, and comprehensiveness. They either have a shallow view of his scholarship or their views are based upon information from secondary sources that are usually biased and unreliable.

For whatever reason, it seems that they do not read him objectively i.e. treating or dealing with facts without distortion by personal feelings or prejudices. Their conclusions and comments do not suggest an unbiased intellectual analysis. They, like a hard core Mullah, are very much attached with their religion emotionally. Their approach is far away from rationality. Such persons, despite of vast study and knowledge, are not able to use their mind freely in matters related to religion. In fact, they are incapable to come out of the darkness of religion. And it is not a new phenomenon. It is happening down through the history. Even prophets had failed to talk to these people and convince them. Quran says about them: "Although they have eyes but see with the eyes of others; they have ears but listen with the ears of others: and they have mind but think with the mind of others. They blindly follow what their ancestors had followed without judging whether it is right or wrong. And, whereas their beliefs and practices do not interfere or affect their daily life, therefore, they do not bother about the consequences of what they believe or follow. They remain satisfied with the status quo and never think about a change.

However, the current discussion on Pervez's thoughts is a little bit different and worthy of an intellectual consideration.

Religion and mankind

In every religion (Islam is no exception) the primary objective is to achieve spiritual satisfaction and salvation in the hereafter. The theology of every religion and its

beliefs and practices, all are meant for the fulfillment of these objectives. However, the truth is that both these objectives are nothing but illusion and self-deception. Religion has nothing to offer for real spiritual satisfaction nor it will help anyone in the hereafter. Either you believe in one God or several gods; in the prophet-hood of Muhammad(PBUH) or any other prophet; you pray in mosque or in church; you face towards Mecca or Jerusalem; you fast or not; - it doesn't have any relevance to the reformation of human society or individual's behavior or development of personality which, in the sight of God, is the fundamental purpose of man's creation. God says:

> **"It is He who brought you forth from the wombs of your mothers when you knew nothing; and He gave you hearing and sight and heart and mind: so that you may give thanks (to God)." [16:78].**

Meanings of this verse are clear. God has blessed every human being with ears, eyes, heart and mind (the faculties of knowledge) so that he may be thankful to Him. But at the time of his birth a man knows nothing because these faculties are not developed as yet. God wants us to develop them and seek knowledge. So the best way to pay 'Thanks to God' is to develop these faculties. Also, the best 'Thanks' come from those who are more knowledgeable. This is the true Will of God in the creation of man. For this purpose we need education - not rituals. It is a universal truth that the best education gives us the best personality but best of the best ritual contributes nothing to our personality. In fact, rituals are practiced not out of sincerity or love for God but to save ones skin in the hereafter. If this fear is removed from the minds no one is going to practice any ritual in the name of religion.

Religion has no constructive role in worldly life. People follow it out of fear or ignorance and continue with it because it does not interfere with their day-to-day life. Naturally, if something is not affecting one's present life then why should he think for a change? This is the basic reason why majority of people - even intellectuals do not think or accept any change in the status quo of their religion. Islam is no different than other religions. No doubt, it was sent down as a system of social reformation and to establish peace and justice in the society but it had lost its characteristics very early in the history. It had been turned into religion by the collusion of unscrupulous Mullahs, Kings and the Capitalists. Mosques, which were used to function as the Seat of Government, became dens of religious bigots. Kings and Capitalists grabbed the seats of power and Mullahs were left with honking. The split between mosque and state became far wider than the split between church and state.

Transformation of Islam into Religion

In Christianity, we know that Bible has no role in the State Affairs. Therefore, neither the masses nor the intellectuals bother about its interpretation by the religious scholars. Every Christian follows his own priest. The teachings of Bible are purely

based on spirituality. These are meant for consolation of the souls and salvation in the hereafter. Life in the West is generally governed by human intellect and people try to make best use of it through observation and experimentation. They believe that the human intellect is not yet perfect. Therefore, they keep their eyes open for new developments in all fields of social and physical sciences. They evaluate and accept things on the basis of reason. They never say "this is the best" or "this is the last word on the subject". They think that in an expanding universe and evolving cultures no one could claim perfection and absolutism. We have to leave it for the last man on earth to decide what is the best in any field? And what is the last word on any subject?

In Muslim societies, however, the situation is different. We have mentioned above that Islam came as a system to establish peace and justice in the society and then gradually transformed into religion. In order to understand it in a better way, we can classify the process of transformation into three distinct phases: i) the phase of struggle and sacrifice. This included the era of Prophet(PBUH) and his great companions(RA). During this period Muslims were actively engaged in combating internal and external forces that were resisting the establishment of Quran's Social Order. When we look at them fighting back the huge and well armed forces of the enemies on various fronts, resolving a labyrinth of conspiracies from hypocrites, and solving gigantic problem of refugees settlement, we don't find any parallel to their struggle in the pages of history. They overcame all these hurdles and succeeded in establishing the God's Kingdom on earth. The centuries old shameful system of 'man rules the man' was abolished for the first time in human history. The rule of man-made laws was completely abrogated. The rule of Quranic laws was effectively enforced. Human honor and dignity were held supreme and the Muslims' society became a model of exemplary peace and justice. This phase had lasted till the end of Righteous Caliphate.

Then comes the second phase: ii) the phase of greed and lust. This phase is marked by the resurgence of evils *(Shaiyateen)* and unproductive elements *(Mutrafeen)* in the society (in the present terminology these are known as politicians, capitalists, and mullahs). In a society, which is based on pure Quranic laws, these elements don't have any place to exist and survive. They are used to a licentious and authoritarian lifestyle. And, the truth is, unless the meanings of Quran are forged or adulterated with foreign teachings, it is very difficult to follow this lifestyle in a society based on pure Laws of Quran. These elements, like wood termites, had entered the body of Muslim society and began to gnaw at its roots. They had twisted the meanings of Quran and concocted the stories (Hadith) to cover up their heinous crimes against the common masses. Actually, Kings and capitalists cannot enjoy a luxurious lifestyle without exploiting the masses and the masses cannot be exploited unless Mullahs

intoxicate them with the opium of religion. Mullah had prepared a cocktail of Quran and Hadith called *Shariah*, which had become the sole criterion for determining the Truth. If anyone dared to challenge their evil deeds on the authority of Quran they silenced him by declaring him an apostate. This phase had lasted till the compilation of theological literature *(hadith, fiqah, shariah etc.).*

Then comes the third phase. iii) The phase of submissiveness and torpidity. *Shariah*, on one side, gave a free hand to kings and capitalist to do whatever they like (despotic terrorism). On the other side, it had shut the doors of freethinking and free speech (intellectual terrorism), and had kept the masses busy in ritualism. As a result, society lost its vigor and equilibrium and became full of disparities and injustices. Common masses gave up interest in life and became impotent. Their state of creativity and productivity fell down to zero. With the replacement of Quran by *Shariah*, Muslims gradually had lost their noble virtues such as unity, fraternity, tolerance, forbearance, enlightenment, creativity, and freedom of expression. Instead, they had turned to religious fanaticism. Consequently, they became the most deprived and cursed nation on earth.

Quran says: Those who conceal the clear verses We have sent down, and the guidance, after We have made it clear for the people in the Book, ____ on them shall be God's curse, and the curse of those entitled to curse. [2:159].

The meanings of the verse are self-evident. Guidance means nothing else but what God has sent down and the Book means no other book except Quran. God Himself made clear the verses of Quran and warned people not to conceal them. Otherwise, they will suffer severe consequences. Notwithstanding, the clear warning Mullahs stepped in as usual (as they did with Bible and Torah) and corrupted God's Revelation with their preconceived notions and ideology.

We know that Quran was sent down as complete code of life [16:89] and guidance for the whole mankind [2:185]. Its laws and principles encompass all aspects of life including individual life, community life, and life in the hereafter. The primary objective of these laws and principles is to create favorable conditions in which human potentials and behaviors could achieve proper growth and development. This is how the man could become a useful member of the society and mankind at large. Therefore, it was essential to read, understand, and interpret Quran without affecting its objectivity and universal nature. But Mullahs, under the holy cover of Hadith gave new meanings to some key terms in the Quran and had changed its concepts. Quran had lost its dynamism and remained no more useful than a religious book. Now, although it is held very sacred and recited very eloquently but is not applied, either to develop character or to reform the society. Accordingly, Muslims became the true embodiment of what is said in the above verse. They concealed the truth and God

proved His words. The curse of God and the curse of those who are entitled to curse (successful nations) are showering upon Muslims everywhere.

The Role of Mullah

The role of Mullah, as we find him today, has always remained to serve the worldly lords more sincerely than the Lord of heaven. He pretends to lead mankind towards God but, in fact, he is a great obstacle in the way of God. He never lets His rule to get established in the land. The rule of God inflicts a severe blow on the authority of Mullah and his patrons. It divests the Kings from their crowns and the Mullahs from their canons. It doesn't bring good news to the landlords and the capitalists.

It is an historical fact that Mullah had never raised voice against the tyrant kings and the bloodsucker landlords and had never encouraged or supported mass movements against their injustices and cruelties. We may find, in the pages of history, a few of them struggling for the cause of Islam but, in fact, they struggled for the cause of *Shariah* which is not true Islam. As pointed above, *Shariah* is a cocktail of Quran and Hadith; whereas Hadith are concocted stories. These are meant to protect the ruling and affluent classes and to intoxicate the masses with ritualism so that they may not pose a threat to their illegitimate rule. The laws of *Shariah* are worst than the laws of Tyrants. That is why Quran warns: **"Don't mix up God's command with any person whatsoever [18:26)". And, "Keep the rule of law for Him alone [12:40]".** Mixing up others' law with the law of God is worst form of *Shirk* and *Mushrik* are, in the sight of God, most cruel people on earth *(Zalimeen)!* We have seen the rule of Mullahs in Afghanistan and Iran, which delivered nothing to the people but pain and sufferings and brought curses of friends and foes equally from all over the world.

Conspiracies Against Quran

Right from the very beginning of conspiracies against Quran, there had been always a class of intellectuals sincerely devoted to Quran. They forthwith challenged the distortions and wrong interpretations by Mullah and his patrons. But, unfortunately, their voice never reached the masses. Mullah has built his empire deep into the sea of ignorance and it is very difficult to fathom it. His rule over the masses is indomitable. Only, a person with a prophetic will and determination could reach the masses and pull them out of this darkness. Furthermore, they had been always remained in the good books of the rulers and the landlords. Enterprising upon the sheer ignorance of masses and enjoying an auspicious support of their lords (kings and capitalists) anyone who dared to expose their lies against God and false *Shariah* they unhesitatingly declared him an apostate, Zionist and enemy of Islam. There are more than 50 Islamic countries. The rulers and the affluent class of these countries all follow Zionist policies and openly work against the basic principles of Quran. They have usurped the individuals' liberties and deprived them social justice. They have

destroyed the unity of *Muslim Ummah*. There are thousands of Mullahs living in these countries but they never declared them apostate, Zionist or enemy of Islam. This is because these rulers and the affluent people do not interfere with *Mullahs' Shariah*. One may disagree with generalization of this statement but exceptions are always there and these don't count too much. The historical truth is that Mullah had never struggled against the evil forces in the society. Their struggle always remained focus on the defense of *Shariah* for which God has sent no authority. The primary objective of *Shariah* is to fortify the rule of Mullah and to misguide the people about life in the hereafter. It has got nothing for the reformation of the society. Quran is the only source, which has got true values for the establishment of a just and balanced society but Mullah doesn't like it. Those who struggle to redeem the true values and principles of Quran, he declared them apostate.

Pervez and his Philosophy

Allama Ghulam Ahmed Pervez (1903-1985) was a well-known Islamic scholar. He was born and brought up in an orthodox family, which was following the *Shariah of sunni-cum-hanafi* sect of Islam. God had blessed him with an open heart and mind. Like any other Muslim he, too, cherished the past glory of Islam and earnestly wished its redemption. He possessed an inquisitive nature and never let any thought to pass unquestioned. When he reached the age of sound judgment he often questioned that if our beliefs and practices are true and correct then why these do not produce the promised results? Quran teaches us that the **Muslims are the best people on earth [3:110]** but we find them otherwise. Then it says that **if the Muslims keep on following the true faith they will remain supreme forever [3:139)** and **God will never let the unbeliever to dominate them [4:141].** Muslims claim that they are following the true faith but still they are not free anywhere. Why these teachings and promises are not coming true? Why Muslims are humiliated and downtrodden everywhere on the earth? Such questions haunted him over a long period of time.

He was a sincere believer and never doubted the authenticity of Quran and Sunnah. The authenticity of Quran lies in its absolute value system and universality. It gives a plain, practical and very dynamic values system for international peace and justice. Whereas the authenticity of Sunnah lies in the establishment of a model society based on the Value System of Quran. Life of the Prophet(PBUH), as mentioned in Quran, is the best model for Muslims. He did not simply receive and deliver the message but, in a short span of 23 years, founded a mighty State in Medina based on the Value System of Quran and had turned the wild Arabia into an highly civilized society and a land of peace, justice, progress and development.

The Quran is intact and the life struggle of Prophet is a well-recorded historical fact. Then what is wrong with Muslims that they are not coming up to the mark? Are we

told lies or something is wrong with Mullah's understanding of Quran and Sunnah? Could we do an intelligent analysis of problems and miseries facing the Muslims all over the world?

These and many other questions lead Pervez to search for the reality. He came out of the cocoon of simple beliefs and practices into the vast expanse of free inquiry. Henceforth, he never let any belief or practice to pass without a critical test. He studied them in the light of the Quran, which is, in the sight of God, the only criterion for judging right and wrong. His journey in the vale of Quran is spread over 50 years and his insight of Quran is recorded in volumes of books and on audio-video cassettes. If the definition of a scholar is: "a person possessing or manifesting wide and deep knowledge" then I have no doubts in the scholarship of Pervez. He got to his credit more than 60 voluminous books, hundreds of pamphlets, recorded lectures on more than 500 audio and 70 video cassettes and numerous articles on various topics published since 1935 in monthly *Toluislam*. His highly acclaimed work is the compilation of *Lughat-ul-Quran,* which is unique in style and outstanding in usefulness. Apparently, it is an Arabic lexicon but in truth it is more than that. It makes the maximum use of morphological system of Arabic in a limited space. It is like a fountainhead of pure and pristine meanings of Arabic words used in the Quran. No one can understand Pervez unless he has studied *Lughat-ul-Quran.* Any criticism or comment about his work without referring to *Lughat-ul-Quran* would be unqualified and biased.

During his journey in search of truth he came to the conclusion that the primary cause of Muslims' troubles is their wrong understanding of the Quran. They revere Quran like a religious book. They read and recite but do not understand and seek knowledge. They practice it individually for *Thawab* and salvation in the hereafter. They do not read Quran as a Book of absolute values and do not practice to establish a just and peaceful society. Consequently, in spite of deep respect and sincere devotion to Quran and Sunnah they are deprived of God's blessings and bounties – **a life full of contentment [13:28]; a civil society free of social injustices and economic exploitations [20:112]; and an honorable and dignified status among the comity of nations [3:139].**

Degeneration of Muslims

Man has got two sources of knowledge. One is human intellect and the other is divine revelation. Nations who do not posses divine revelation use intellect to solve their problems. They learn through trial and error and keep on trying this and that until something succeeds. They always look for the best and continue to reform. Their societies are dynamic and progressive. They, according to a popular saying: eat well, live well and love well.

On the contrary, Muslims neither benefit from human intellect nor have correct understanding of divine revelation. Majority of Muslim countries are plagued with poverty and illiteracy. Their people are incapable to solve even simple problems of daily life. They are extremely poor and ignorant. The affluent and literate class, which makes a friction of the population is miserably selfish, self-centered and highly arrogant. Very few of them are God loving and respect the higher values. They do not use their intellect, skills and resources for the benefit of others. Rulers, politicians, landlords, doctors, engineers, lawyers, even teachers and mullahs - no one is less than the other in exploiting the poor and helpless masses in the society. They never think of any good except for themselves.

Divine revelation, which is in Quran alone, is meant to groom and polish human intellect and to guide it in the right direction. This objective can be achieved only when the Quran is read and understood correctly. Whereas, the condition of Muslims (as stated above) is that majority of them are illiterate and they can't read Quran at all. Among the literates there are some who do read Quran but without knowing and understanding its meanings. It is called recitation of Quran, which is meant for *Thawab* - an ambiguous term which no one can define. There are very few Muslims who read Quran with meanings but unfortunately most of the Translations and *Tafaseer* of Quran are written under the influence of Hadith. Although these are attributed to the Prophet but the truth is that the Hadith are the most dubious, uncertain and highly questionable literature in Islam. These should be taken very cautiously. Due to these reasons Muslims cannot benefit themselves from the light of Quran. They live in a sea of ignorance and darkness. Their societies have become inert, passive and lifeless.

A Muslim's heart and mind is overwhelmed by the concepts of Quran about life. Its values and principles are the main driving force for every Muslim whether he is literate or illiterate. Therefore, for the reformation of a Muslim society the importance of a clear and correct understanding of Quran is undeniable. However, in this regard, we must remember the divine principle that no reform in the society could be effective without a reform in the heart and mind of people. So far Muslims had ignored it, which brought to them nothing but sufferings.

Quran Lost Its Pristine Purity

As noted earlier, the concepts and principles of Quran are heavily influenced by foreign culture, theology and philosophy. Although there are many factors responsible for this influence but some of them are so common that these can be counted on fingertips. For example, unfamiliarity with Arab's lifestyle; lack of knowledge about their language, culture and development of concepts; lack of written material in pre-Quran Arabia etc.

Desert Arabs lived a simple life in a beautiful surrounding. Deep and clear sky fascinating overhead with twinkling stars and a shinning moon and sun; wide expanses of desert with captivating sights in front - embellished with nicely curved sand-dunes and rugged hills scattered here and there; lovely oasis with gushing springs of fresh water; beautiful cluster of date-palms, couple of grapevines and pomegranate trees and in this bewitching landscape were the dwellings of these nomads of the Arabian desert. They used to live in tents with very few and only essential household items among which the important one were their weapons such as swords, spears, shields, arrows, bows and daggers. And, of course, the most cherished were their livestock, which included cattle, camels, horses, and herds of sheep and goat grazing in front of their eyes in outreaching pastures. This was their total lifestyle and culture. Their language, its roots and derivatives all revolved around this simple habitat and physical environment. And, as it was consisted of all perceptible and discernible things, therefore, the root meaning of words used for these things were crystal clear and easy to comprehend. Ambiguity in language and difficulty to ascertain the meanings arises when the words are used to explain abstract matters such as in philosophy and metaphysics. Desert Arabs were far away from the complexities and intricacies of these subjects. Their language was as simple, neat and clean as was their culture. It was accepted as standard language among the Arabs. History tells us that (not very late) during the reign of Omer Farooq(RA), when interaction between Arabs and non Arabs got increased, he used to advise the citizen of Medina: 'If you want to learn Quran you must see the desert Arabs because they still have the language of Quran in its pristine purity'.

Inventiveness of Pristine Arabic

How does the meaning of words become clear through the right knowledge of roots and their use by the desert Arabs could be better understood with the following examples:

Quran says that God is with those who are patient and steadfast - *Sabireen*. The use of *'Sabber'* in Urdu language is well understood and needs not to go into much detail. When a person gets trapped in circumstances that leaves him helpless; where his skills get exhausted and he finds no way out then he becomes patient *(Saaber)*. He gives him up to the circumstances as such. Also, when a person found himself weak against tyranny and could not muster enough courage to fight back even then he calls himself a *'Saaber'*. On the contrary, in Arabic the root-meanings of this word are to struggle patiently for higher values and noble objectives and during the course stands firmly on ones feet; tackle all oddities skillfully and remain steadfast in times of pain, suffering and adversity. According to these root-meanings (patience, steadfastness, firmness and constancy) see its use by the desert Arabs. Cloud that stays round the

clock and doesn't move from its place is called *'al Sabeer'*. Camels and goats, which go out for grazing in the morning and return straight home in the evening without missing are called *'al Asbera'*. Desert plants (cactus), which grow well in harsh weather, are called *'al Sabbar'*. Stone that is used to maintain the balance of boat during journey in the sea is called *'al Sabura'*. This was the concept of *'Sabber'* among the desert Arabs. When this concept is applied to define human attitudes it reflects such qualities as steadfastness, faithfulness, constancy, firmness, balance, and uncompromising attitude on principles and truth. Surely, such qualities yield brilliant successes and infinite bounties. Therefore the bumper harvest, which is yet to be measured, is called *'al -Sabbratun'*. These instances leave no ambiguity in the meaning of *Sabber*. Also, it makes clear why God says: "I am with *Sabireen"?*

Besides this, the other important factor responsible for contributing ambiguities in Quran was the lack of written material in pre-Quranic Arabia. With exception to poetry there is hardly any book found on Arabs' language, culture and history written during that era. Quran was the first written book. Arabs' used to express themselves in poetry and they had excellent memorizing ability. Their whole literature came down the history through this source. Because of love for poetry their concepts were highly developed and they had very rich vocabulary. The clarity and depth of their insight could be well adjudged by the number of roots and derivatives in Arabic. According to a study the Indo-European languages together have maximum 121-roots for various words in use. Even Sansikrit when it was a flourishing language and when Sun and Fire were worshiped as god, there were 35-words for Fire and 37-words for Sun in total. On the contrary, see the richness of Arabic. It has 80-words for honey, 200-words for snake, 500-words for lion, 1000-words for sword, and 5744-words for camel alone. This literary treasure had elevated them to the rank of a nation having sharp discernment, highly expressive, meaningful, and free of doubts, restrictions, obstructions and entanglements. Unlike, the non-Arabs particularly the Persian they were exceedingly articulate in their thoughts and action. They never used words that carried double meanings and never gave up to vested interests. When the Quran was revealed to them they had no difficulty in understanding its message. They accepted it without raising a finger and stood by the Messenger of God steadfastly. Quran gave the right direction to their intrinsic abilities and they became (from a savage and most ignorant mass) the torchbearer of knowledge, peace and justice.

Quran And The Non-Arab Scholars

Later, despite of their clear insight and richness of language the lack of written material became a great hurdle for non-Arabs in the understanding of Quran. A large part of Islamic literature including language, history, translations, *tafaseer*, and *Fiqah* was written and compiled, mostly by Persian scholars during the rule of Abbasid

caliphs. The Abbasid came to power with the support of Persian. Therefore, they honored the Persian with many privileges under their rule. The Persian had enjoyed high respect and yielded great influence in the society. However, the barrier of language and culture between the Persian and the Arabs created great confusion about Quran. They were not familiar with Arabs' culture and lifestyle. Also, they were not well versed in Arabic language, its grammar and speech including roots, concepts, structure and development of the language. Briefly, they had no reliable and authentic source of information available. The main source of their information was the storytellers who were generally known as the narrators of Hadith *(Rawiyaan-e-hadith)*.

Prophet(PBUH) and his great Companion (for reasons well understood) did not compile Hadith in written form. There is not a single Hadith in any collection that has got a written authority. All the Hadith are based on chain of narrators such as A narrated to B narrated to C narrated to Bukhari - the Persian compiler who lived in 3rd century A.H. The tragedy is that such stale reports are taken as true sayings of the Prophet and had become an important part of Islam. Today, despite of an efficient and fast information system, we cannot accept even first hand reports with full certainty. Also, in a court of law if you are not an eyewitness to the case the judge will send you out. He will not accept your witness. But, one wonders how our *Mohaditheen* and *Mufasireen* dared to accept three hundred years old stuff on the evidence of a single person as true and authentic sayings of the Prophet and his Companion?

Due to such limitations the Persian scholars could not comprehend the concepts of Quran in depth. Nevertheless, whatever they wrote about Quran and Sunnah that had become the last word in Islam. And, because of their respect and immense influence masses had accepted their thoughts without question. **It was a great tragedy in Islam.** It had shut the doors of thinking upon scholars forever. If any one had raised voice against their poor insight of Quran he faced huge problems in the society. Even today no one could dare to disagree with their thoughts and perception of Islam. The followers of these *Mohaditheen, Muffasireen, and Fuqaha* are no less savages in the defense of their ideology.

***Shan-e-nazool:* A Fatal Concept**

Undoubtedly, the late compilation of Islamic literature and unfamiliarity of the scholars with Arabs' language and culture had destroyed the revolutionary and universal nature of Quran. However, the most deadly blow it had suffered came from the concept of *"Shan-e-Nazool "*. According to this concept almost all the important verses are referred to some sort of event or incident or episode. Early scholars (of 3rd & 4th A.H) had based their translations and interpretations on this deadly concept. They understood the verses according to circumstances under which they were

revealed. Similarly, they established meaning of words of Quran in the light of these circumstances instead of following the rules of Arabic grammar. Later scholars followed them unquestionably over the years, which further added to their credibility. Now, these are accepted as the most authentic meaning of Quran. Unfortunately, as the stories pertaining to *"Shan-e-Nazool "* are directly referred to the Prophet and his companions, therefore, people in general are mistaken. They think that the Prophet himself does these *"Tafaseer*". So, these are considered not only as true understanding of the Quran but also regarded as highly sacred scriptures. Whereas, the truth is, that these *'Tafaseer'* are written 300 - years after the death of prophet and are based mostly on false and fabricated stories. Some eminent scholars (like Imam Ahmed bin Hanbal) have rejected *"Tafseeri Rawa'yat*" out rightly.

Notwithstanding, the dubious natures, a large number of *Tafaseer* are still based on the stories pertaining to *Shan-e-Nazool*. Consequently, it is impossible for a common man to get correct understanding of Quran from such cock-and-bull stories. For example, take the meaning of verse 4:34. The first few words of it are translated as: **"Men are appointed as masters over women..."** (Translation by Shah Raffiuddin). Here, the word *'Qawamun'* is translated as: 'The Master' whereas, its dictionary meaning is: 'the protector and maintainer of women'. This meaning is clear and understandable. According to the principle of work distribution the duty of men is to earn and look after the family. Now, let us see why they translated *'Qawamun'* as: 'The Master'? The stories of *Shan-e-Nazool* of this verse are given below:

"Ibn Abbas says: "The meaning of this word *(Qawamun)* is that "it is obligatory for women to obey men". Hassan Basri says: Once a women complained to the prophet that her husband slapped her. Prophet told her to slap him the same way but God sent this verse and she was ordered not to take revenge. In a similar story it is narrated that once an *Ansari* came to the prophet with his wife. She complained that he has slapped her whose mark is still visible on her face. Prophet said, "He has no right to do that". But on this occasion God sent the verse that "men are appointed master *(Qawamun)* over women in order to teach them manners". Prophet told to the poor lady, "I wanted otherwise but God wanted this way". In a related story it is said that once prophet ordered, "Don't beat the servants of God (women)". When Omer Farooq heard this he came to prophet and said: "O Messenger of God; your permission has encouraged the women against their men". Then the prophet allowed men to continue with the beating of women. Thereafter, people in Medina started beating women indiscriminately. Women protested against this cruelty. Then the prophet said that those who beat their women are not doing well. A companion of prophet (Asha'th) said that once he stayed overnight with Omer Farooq. That day, both husband and wife had a brawl. Omer told me: Asha'th! Three things which I heard from the prophet and memorized are: i) never ask the husband why he beat his wife? ii) Don't

go to bed without praying *watter*. And, third thing the narrator could not recall. *(Nissai).*

In the light of these *'Tafseeri Rawa'yat'* the position of men becomes rather more authoritative than a Master. For that reason, even some important *Tafseer* such as *Kashaaf*, could not avoid the mistake of translating *Qawamun* by *Musaterain* - a stronger word, which means: 'the master with a whip'. Another famous *Tafseer Jalalain* translates it as *Mutasalatain* meaning 'the victor or captor of women'. Such meanings, which had originated in *Rawa'yat*, later crept into Arabic dictionaries and became standard meaning of the words of Quran. Now, only these *Tafaseer* are read and taught through out the Muslim world. Therefore, today it has become difficult even for the Arabs to find out the true meaning of Quran. Very few of them succeed in exploring the genuine language of Quran.

How To Redeem The Lost Paradise?

Ignorance of the scholars about pristine Arabic and heavy dependence on the concept of *Shan-e-Nazool* were two major gates through which all *Shayateen* and evil forces introduced their corrupt thoughts and ideologies into the body of Islam. *Al hamdulillah*, unlike other divine Scriptures these people could not succeed in tampering with the words of Quran. These are protected by God Himself and are available in their pristine purity. So, it is not difficult to weed out alien thoughts and ideologies and restore the values and principles of Quran in pure form. For this purpose we need only to go back to original meanings of words. Then in the light of *'Tasreef-e-Ayat'* we can exactly establish their true meaning in Quran.

In *'Tasreef-e-Ayat'* the words are rotated in different context in the Quran. If all the verses containing these words are studied together the meaning becomes self-clear. For example, take the word *'Sabber*' whose root meaning is discussed above. Now, keep these meaning in mind and see how they become clear through *Tasreef-e-ayat*. As noted earlier, in verse 2:153 it is said, "**God is with the *Sabireen* ".** Here in this verse it is not clear who are *Sabireen*? In verse 3:145 it is said: **"How many of the prophets fought (in God's way) and with them (fought) large bands of godly men? But they never lost heart if they met with disaster in God's way, nor did they weaken (in will) nor give in....."** After stating this noble behavior - struggle, constancy, facing hardships squarely etc. - it is said: **"And God loves the *Sabireen* ".** In the next verse same behavior is reflected when they pray to God; **"...establish our feet firmly."** Somewhere else in Quran, right in the battle field they are addressed: **"...if there are a hundred of you *Sabir* they will vanquish two hundred." (8:66)**. Thus, in the light of these verses, the meaning of *Sabber* becomes clear and well defined. We can easily comprehend the message of Quran and know who are the *Sabireen?*

Similarly, Quran explains its whole vocabulary and key terms such as *Salat, Zakat, Taqwa, Eiman, Islam, Kuffer, Fisq, Fajoor, Duniya, Akhirat, Janat, and Jhanam* etc. through *Tasreef-e-ayat*. We should know the root meaning of these words and the verses in which they are used. By giving a little thought to the context we can comprehend the meaning without ambiguity. That is why it is said that Quran explains itself. It is called *'Noor'*- The light. The property of light is that it makes the things visible.

From the above discussion we conclude that although there is much ambiguity and confusion in various translations and *Tafaseer* of Quran and apparently it seems difficult to ascertain the true meaning but fortunately due to availability of original text of Quran and scientific nature of Arabic, it may be difficult but not impossible. If we study Quran with a mind free of preconceived concepts and ideologies we can easily get the true meanings. The important thing is to follow these steps: i) Find out the root meanings of the word. Each word has many meanings but the shade of root meaning always accompany the word. It will give a better understanding of the word. ii) Find out the concept and usage of word among the desert Arabs. Their vocabulary was based mostly upon perceptible objects and observable phenomena. This method of vocabulary construction makes the meanings and concepts of words very clear. iii) Find out the verses in which this word is used. A thoughtful study of these verses would bring out its true Quranic concept. iv) And, finally, we should never ignore the primary objectives of the Quran. Any translation or meaning of any word or verse whether it is derived from the *Jahiliya* poetry or Arabic lexicons or through *tasreef-e-ayat* in Quran, must not conflict or contradict or negate the primary and universal objectives of Quran. For instance, one of the primary objectives of Quran is the unity of mankind. A translation that contradicts this objective in any form would not be considered true understanding of Quran. The divine criterion of authenticity of Quran is that **it is free of contradictions [4:82].** So, this criterion should always be kept in mind while searching the truth about Quran. In fact, Quran is not a religious book. Unlike religious book, it consists of laws and principles that lay down the foundation of a healthy society. It is a practical and universal code that needs implementation in the society. It is not enough to read and follow it individually. This will never serve the purpose of Quran.

(Continue)

==========

BASIC PROBLEM WITH PERVEZ'S THOUGHTS

By

Bashir Ahmed Abid

==========

Quran and The Human Intellect

This method of explaining the Quran, if followed in true spirit, will bring out the true meaning with extreme accuracy. Nevertheless, one always keeps the mind open and ready to embrace new realities. Human knowledge is expanding, culture and civilization are advancing and each era is becoming better than its predecessor. Thus, in this changing world nothing is perfect or absolute except the words of Quran. The laws and principles of Quran are absolute and immutable. It gives a permanent values system. But, like every other thing in the nature, these values, laws, and principles have intrinsic ability to conform to change without loosing the fundamentals. For example, consider the condition of matter and energy in nature. These may take any form but never lose their basic properties. Similarly, the principles of Quran though unalterable but are not inflexible. We should study them systematically in the light of current advancements in the field of social and physical sciences. We will find no conflict or contradiction. These principles are, interestingly, an amazing conformation of change and constancy.

Pervez Insight of Quran

With this background in mind about the lingual, cultural, and historical influences that had corrupted the true meaning and concept of Quran, now we are in a better position to explain **the basic problem with Pervez's thoughts.** Pervez was a famous scholar known nationally and internationally for his deep, trustworthy and unpolluted study of Islam. In recognition of the services rendered by him to the cause of Islam, he was granted a Gold Medal by the Government of Punjab (Pakistan). This fact is published along with a note in recognition of his services in the official publication *'Tehreek-e-Pakistan Gold Medal 1989'.* It was also recognized in the said official publication that Quaid-e-Azam Muhammad Ali Jinnah placed great confidence in him and he was at one time the personal consultant of Quiad-e-Azam in regard to the religious foundation of Pakistan.

Allama G.A. Pervez's work on Quran remains unprecedented as a rational gloss in Islamic scholarship. It is not an attempt to duplicate what has already been achieved, nor it is intended to be a substitute for other translations. Its genius lies in its rigorous attempt to go beyond the traditional 'word-for-word' concept of translation to bring out the richness of the Arabic language and pristine purity of the Quranic concepts. Its purpose is to help masses achieve to the greatest possible clarity and understanding in their reading of the text of Quran and comprehend what the Arab listener in Prophet's time understood, instantly. Learning of Quran is an un-ending and un-restrictive process. It is like a stream with great potentialities unfolding itself as the human knowledge expand - and shall remain so till dawn: *'hiya hatta mutleh al fajjer'!*

Pervez has faithfully attempted to present Quran through creative use of amplification in contemporary language. As long as he lived he never claimed infallibility of views. He held some views with great vigour because he saw them clearly as edicts of the Holy Quran. Other interpretive views were always presented with the caveat that he was not beyond making mistakes. The rise of militant fundamentalism and the traditionalist clergy in Pakistan has obscured his message: the seminarian authority overcame, as always, the struggle of the non-seminarian mind. Perveziyat is today synonymous with heresy. But his encyclopedic work will always live because of its usefulness to the fundamentalist and modernist alike.

The basic problem with Pervez thoughts is that his critics made no mental distinction between writing critically on the subject of Islam and intending to deliberately bring about the malicious disputes. You may find in his work the meaning of many words and verses different than the traditional translations. In this respect, two things are important to know. Firstly, one should know that he did not translate 'word-for-word '. Rather, he gave comprehension of the Quranic passages. The difference between translation and comprehension is obvious. Secondly, it should be remember that even the traditional translations are not all the same. These differ at many places among themselves. For example, take these two translations: one by Shah Abdul Qadir and the other by Maulana Abu-al-Kalam Azad (both were eminent scholars). Former is so important that Shaikh-ul-Hind Maulana Mahmood-ul-Hassan revised it and Maulana Shabeer Ahmed Usmani wrote its footnotes. In other words, this translation has the approval of three great scholars of the sub-continent. It gives the translation of verse 2:102 (*wa ma unzila a'lalmalakaine bebabila haruta wa maruta*) as follows:

"(and they followed) such things as came down at Babylon to the angel Harut and Marut". According to this translation God has sent something to the angels. Now, compare it with this translation by Maulana Abu al-Kalam Azad: **"It is also not**

true that something came down at Babylon to the angel Harut and Marut". According to this translation God has sent nothing to the angles.

These translations not only differ but also negate each other. Nevertheless, these are popular among the masses and no Mullah ever raised a voice against them. It shows the true mentality of those who bash Pervez for distortions and twists in the Quran. They criticize Pervez not because he ignored the principles of Arabic or objectivity of the Quran; Not at all! No one can blame him on this ground. His major fault is that he did not become a holy sheep, which never leave the herd. Instead, he left the traditional path immediately when he felt that it is leading towards the wrong direction. No doubt he adopted a different style than the traditionalist but it is not new one. In fact, it was the original style of understanding the Quran. It was lost in the dust of time. Pervez has simply removed that dust and revived it in its pristine purity. Actually, the criterion with the masses is ancestral sanctity instead of intellectual honesty. That is why when they listen to Pervez they turn their face saying: "*ma samehna behaza fi abainal awaleen"* - **never did we hear such a thing (as he says) among our ancestors of old. (23:24).** Following critique of Pervez's work is a good example of this servile attitude.

We have brought out the follies of traditional translations in the above lines and elaborated that the right way to understand Quran is to have a good knowledge of Arabic, concepts of *Jahiliyah* Arabs, *tasreef-e-ayat* in Quran and its objectivity. Now, we will try to answer the questions raised in the following examples from *"Mafhoom-ul- Quran"* in the light of these principles and would request the readers to judge the truth themselves.

EXAMPLE 1: ILLEGITIMATE TWIST OF VERSE 2:143

(According to critique) the correct rendering of this verse, with respect to the rules of Arabic grammar, is as follows:

"Thus We have made you a community in the center *[ummata-n-wasatan*], that ye may be witnesses in regard to the people *[shuhadâ ala-Nâs],* and the messenger be in regard to you a witness.»

MY COMMENTS:

If we accept this translation, which is 'word-for-word' as correct rendering then we cannot come to any conclusion. As we will see later, it does not answer many questions. Also, it has limited the meaning of key terms such as *Ummah, Wasatan, Shuhada, Rasool, and Al-Nas* etc.

'*Ummah*' is a very comprehensive term. It has many literal and applied meanings. In the Quran itself it is used in more than fifty verses with different shades of meaning.

For example, when it is used for al-Nas (the people) its usage extend from a single person *'inna Ibrahima kana ummatan qanetan'* to a group of people '*ummatan-min-al-nas*' and to the whole mankind '*kan-an-nasu-ummatan-wahidatan*'. [16:120 & 28:23 & 2:213]. In verse 6:38 its usage broaden further to cover up not only people but also all forms of life on earth. No word in any language has this much breadth of meaning. Therefore, *Ummah* cannot be translated by a foreign word correctly. The best way is to give its concept instead of word-for-word translation.

Perhaps, this diverse usage may have caused confusion in understanding the meaning of '*Ummah'* but Quran, through *tasreef-e-ayat* has solved this problem. For example, in verse 21:92 it defines exactly what it means by '*Muslim Ummah"*? Therein, right after mentioning the life struggle of different prophets, it says: **"Verily this Brotherhood of** yours ***(ummatakum*****) is a single Brotherhood** ***(ummatan wahidatan*****) and I am your Cherisher** ***(Rabb);*** **therefore, obey Me (and no other).** About this translation Syed Abdullah Yousaf Ali says:

"Ummat: this best translated by Brotherhood here. 'Community', 'race' and 'nation' and 'people' are words which import other ideas and do not quite correspond to *Ummat*. 'Religion' and 'way of life' are derived meanings, which could be used in other passages, but are less appropriate here. Our attention has been drawn to people of very different temperaments and virtues, widely different in time, race, language, surrounding, history and work to be performed, but forming the closest 'Brotherhood' as being men and women united in the highest service of God. They pre-figure the final and perfected Brotherhood of Islam."

I think, this definition allows no further argument. It gives a very clear concept of *Muslim Ummah*. There is no word, which could cover such a vast horizon (consisting of people having different geography, language and culture). Even Brotherhood does not import the meanings of *Ummah* appropriately. *Ummat* is best translated by *Ummat*. We should place emphasis on the concept only.

Similarly, *Wassatan* is also a comprehensive term. It's meaning is applied to diverse topics such as 'eras' *(al Qarrun al wusta)* and 'places' *(sharq al awsat)* and 'people' *(awsat al nas)* and 'character' *(seerat al awsat)* etc. **In Quran, it is used for horses that penetrate forthwith into the midst of enemies files** ***'fa wasatna behee jammhan'*** **[100:5]; for quantity of food,** ***'awsata ma tutehmuna ahleekum'*** **[5:92]; for middle or the best prayer,** ***'salat al wusta'*** **[2:238]; and for a most just person,** ***'qaala awsatahum'*** **[68:28].** So, it would be wrong to translate it by a single word. It's meaning depends upon the context and objectivity.

Shuhada (sing. Shaheed) is translated by the word 'witnesses' and the 'witness' is defined as 'one who testifies or gives evidence before a court or in a cause'. Or, more

precisely: 'one who has personal knowledge or experience of something': from 'wit' – 'mind, intelligence'.

Shaheed is a more comprehensive term than 'witness'. The root-meanings of *shaheed* are: to see; to confirm; to be present; to attend; to watch; etc. We can get a clear and better comprehension from its usage in the Quran. In verse 59:22 '*ghaib'* is used vis-à-vis '*shahada'*. The meaning of '*ghaib'* is invisible or imperceptible things. So, the meaning of '*shahada'* will be all things that are visible and perceptible. In verse 2:185 it is used to make distinction between one who is on a journey and one who is present at his home – *'fa mann shahida minkum-mush- shahr'.* In verse 2:23 it is used for help and assistance '*wa'ad'hu shuhadakum min dun-nillah'* This meaning is further elaborated in verse 74:12-13 where it is said *(ma'lam mamdudan wa baneena shahudan*) that **'great ones of the earth may have wealth, a large following, sons by their side to defend them and do their bidding and manpower to help them in their battles'**. And, in verse 5:120 it is used synonymously with '*al-Raqeeb* - The Watcher' *(kunta unta alraqeeba a'laihim wa unta a'laa kulle shai'in shaheed*). Both, *raqeeb & shaheed,* are watcher but *shaheed* is a more comprehensive term. Insight and eyesight of a *shaheed* encompasses everything in the universe. Also, it is used for judgment (12:26). Here, it is said *(wa shahida shahidun min ahleha)* that **'one of her family member saw this and gave his judgment thus…'** Verse 6:19 say that **'God is the best judge because everything is in His sight.'** The practical way to seek His judgment is to refer all disputes to Quran. [22:17]

Syed Abdullah Yousaf Ali defines witness: "When two persons dispute, they advance extravagant claims. A just witness comes between them, and brings the light of reason to bear on them, pruning all their selfish extravagancies. So, the mission of Islam is to curb, for instance, the extreme formalism of the Mosaic Law and the extreme "other-worldliness" professed by Christianity. The witness must be unselfish, equipped with first hand-knowledge, and ready to intervene in the cause of justice. Such is the position claimed by Islam among rival systems. Similarly, within Islam itself, the position of witness to whom disputants can appeal is held by Muhammad Mustafa."

'Rasool' another comprehensive term that too imports a variety of meanings such as: slow paced; long and flowing; relaxed; gentleness; moderation; communication and delegation etc. In the Quran, it is generally used for prophets but in verse 12:50 it is also used for ordinary messenger. In communication, its meaning encompasses both the messenger and the message itself. For example, verse 7:75. It says: **'the leaders of the arrogant party among people of *Thamud* said to those who believed in *Saleh* as the messenger of God: Did you make sure that *Saleh* is God's**

Messenger? They said: We do indeed believe in the message which has been sent through him."

The primary duty of God's messenger is to convey the message of God to people gently, eloquently, faithfully and with constancy. Prophet Noah said to his people: **"I am a Messenger from the Lord of Universe and my duty is to fulfill my Lord's mission sincerely - *Ubleghukum risaalate Rabbi wa Ansah lakum.* [7:62].** Similarly, Prophet Muhammad was told: **"Proclaim what has been sent to you from God - *Ballegh ma unzela alaika min rabbek"* - if you didn't, you would not have fulfilled His mission" [5:67].**

Among the believers, *Rasool* is the first person that believes in God's Message [2:285]. He but follows what is revealed to him [6:50] and asked the believers to follow the same system, which he establishes on the principles of revelation [4:58-61]. Neither he commands nor it is allowed to any Messenger to command against the Will of God [3:79-80]. In other words, obedience to Messenger, in fact, is obedience to God Himself.

Muhammad(PBUH) was the last Prophet and Messenger of God. The message he brought is complete and well protected. As we have said earlier that meaning of *Rasool* applies to both *Mursal & Risala*. Therefore, now our *Rasool* is Quran. This meaning is nicely implied in verse 3:144, which says:

"Muhammad is no more than a Messenger: Many were the messengers that passed away before him. If he died or were slain, will you then turn back on your heels? If any did turn back on his heels, not the least harm will he do to God; But God (on the other hand) will swiftly reward those who (serve Him) with gratitude."

This verse was revealed when Prophet Muhammad was alive. It shows that the message of God is self-sufficient and self-sustaining. Those who think that it is not possible to follow Quran without Hadith must reflect upon this verse. God says its possible! He tells about this practicability of Quran in an era when there was no record or collection of Hadith. God is Living, Eternal, Sub-sisting – so is His Message!

Syed Abdullah Yousaf Ali has put this reality in these words: "And we have need to remember this now and often for two reasons: (1) When we feel inclined to pay more than human honour to one who was the truest, the purest, and the greatest of men, and thus in a sense to compound for our forgetting the spirit of his teaching, and (2) When we feel depressed at the chances and changes of time, and forget that the eternal God lives and watches over us and over all his creatures now as in all history in the past and in the future."

Al-Nas, like *Ummah* is another broad meaning word. Its translation by the word 'people' is very simple. Whereas, it is a comprehensive word and its usage extends from a group of people to the whole mankind consisting of *Jinn-o-Inss* together. The linguists have discussed it extensively but for our purpose, only relevant definitions will be presented here. In verse 2:60 it is used for a group of people: *'qad a'lema kullo unasin mashrabahum*'. In verse 25:49-50 it is used for the whole mankind: *'mimma khalaqna an'aman wa annasee kathira " & " fa aaba aktharan'nas-e-illa kufoora'.* And, in verse 114:5-6 its description is expanded to include *Jinn-o-Inss* together:*'yuwaswisu fi sadoorin' nas min-al-jinn-a-te wan'nas'.*

In general, Quran views the mankind as a whole. For this reason, it proclaims at the very commencement of the opening chapter that **God is the Cherisher for all worlds (*Rabb-ul-A'lemeen)*** and finishes with the declaration that mankind can find protection in Him alone *(A'oozu be-rabb-n-nas, Malek-n-nas, Illah-n-nas).* The primary objective of Quran is to provide guidance for balanced development of human potential and to protect him from evil forces. We have seen that mankind consists of diverse races inhabiting diverse climes and cultures. We have also seen that Arabic is a very eloquent language and rich in vocabulary. For instance, there are approximately 5000 words for camel. Imagine, who can better understand a camel than one who has this much vocabulary at his command to explain?

In view of this great objective (service to mankind) and with this great language at command, it is imperative to choose the best possible meaning of the words of Quran so that its laws, principles and the values system become more and more useful for mankind - *wa amma ma Yanfa'hun Naasa fa yamkusu fil ardh.*[13:17]

Pervez was an humble student of Quran. He spent over 50 long years of his short life in concentrated exploration of the depths of this sea of knowledge, undisturbed by the storms that vexed his outer life. When he started the journey, he had not imagined that so much human jealousy, misunderstanding, and painful misrepresentation should pursue one who seeks no worldly gain and pretend no dogmatic authority. *Al-hamdu Lillah*, with His blessing, the breath of heaven swell the sail, and he safely oars to reach the distant coast. Two masterpieces of his life achievement are *Lughat-ul-Quran & Tabweeb-ul-Quran*. Former helps the reader to get clear root meanings of a word, and the latter helps him to know its Quranic concept through *tasreef-e-ayat*.

With this preface in mind, now we will examine Pervez's insight of the Quran and see the truth of those who blame him for twists & distortions in Quran. For this purpose, we have to recall verse 2:143 quoted above in example -1. According to the critics, the correct rendering of this verse is:

«Thus We have made you a central community *[ummata-n-wasatan]*, that ye may be witnesses in regard to the people *[shuhadâ alan'nâs],* and the messenger be in regard to you a witness.»

We have said earlier, it cannot be a correct rendering unless we know what is said in the preceding and succeeding verses. The verse begins with the conjunction 'thus', which means that something important is said in the preceding verse. And, also the subject is incomplete, which means that something important is said in the succeeding verse.

Pervez took all the verses together. Then in accordance with the rules of Arabic grammar, principle of *Tasreef-e-Ayat* and objectivity of the Quran, he gave his rendering as follow:

"Also, the Jews will criticize as to why the Muslims had turned away from Jerusalem which remained *Qibla* (center) of the People of the Book down through the history? Why they chose *Ka'aba* as their *Qibla* (center)? This criticism, too, is based on insolence and ignorance. However, the argument is simple and clear. Jerusalem is The Center *(Qibla)* of Jews alone whereas the message of Islam is Universal. It is for the unity of whole mankind at one center. Obviously, The Center of a universal message can be a place that encompasses both East and West (The whole world). It should not be at a place, which belongs to any particular race, nation or ideological group. For this reason, God has shown this *Ummah* (Muslims) the right path in the service of mankind.

(So, you (Muslims) should not get perturbed over this objection). We want to make you, in Our Guidance, a balanced and just nation in the world. To become an equidistant nation, which tilts neither this nor that side. Your objective in life, as a nation, should be to watch and check upon the doings of nations so that they might not aggress each other. And, the Messenger (who is entrusted with central authority in the divine system) should watch and check upon your doings so that you, too, may not aggress each other.

In view of this, the location of *Qibla* (center) was an important matter. In fact, it was a matter of making choice between a National *Qibla* (that belonged to a specific nation) and an International *Qibla* (which hold central position for the whole mankind). Therefore, (O Messenger!) Our purpose of appointing *Qibla* (the place that you chose for Islam) is to separate the mentalities so that it becomes distinct who, in obedience to the prophet, gives up the national ties and establishes relations purely on the basis of humanity? And who, in defiance to the prophet, turns on his heels and adopts the parochial world of nationalism?

This change, indeed, was hard to bear for those whose hearts are still trapped in narrow circles of nationalistic interests. Only such people who uphold God's laws supreme over their predilections and personal interests could come out of these gullies and gorges.

A person who lives in the narrow circles of nationalism thinks that by joining greater humanity one loses group strength, which causes great harm (29:25). But you (Muslims) should not be influenced by such logics. Your Faith in the greater welfare of humanity will never be wasted. Those who follow God's Law, remain safe from the ills of evil forces and get plenty of sustenance for their proper growth and development." [2:142-144]

This is Pervez rendering in accordance with the rules of Arabic grammar, *tasreef-e-*ayat, and universality of Quran. One may differ with him but he cannot be blamed for twists and distortions. Those who blame him, in fact, they are denying the Will of God, which is that the mankind should renounce all sorts of heresies and schisms and become united; that the Muslims should become a balanced nation among the comity of nations; that the Muslims should ensure peace and justice in the world; that the Muslims should come out of the narrow circles of nationalistic interest and work for the greater welfare of humanity etc.

Now, compare Pervez's rendering with the one given by our learned critics as follow;

"You" refers to the Companions of the Prophet,

"People" mean the other Arabian tribes (and there's no special evidence to indicate that it means "people of the ENTIRE WORLD."),

"Shahâdat ala-Nâs" means that on the Day of Hereafter, the Companions will testify before God (so the Qur'an says) that they sincerely conveyed the message of Islam, to their utmost ability and capacity, to the people; while the Prophet will testify that he conveyed the message of Islam, with the same sincerity and vigor, to the companions.

Therefore, the whole issue here is CONCERNING THE HEREAFTER and the verse refers to the COMPANIONS OF THE PROPHET as the "Middle Community" between the PROPHET and the ARABIAN TRIBES.

It was THROUGH THEM that the message of Islam was spread. Thus on the Day of Judgment, they will be witnesses in regard to the people (and will testify that they did their jobs honestly and completely), while the Prophet will be testifying that he fully executed his divinely inspired mission in regard to Training the Companions. (See: 16:84, 89).

This seems to be the actual and most suitable meaning of this verse."

MY COMMENTS:

We have given in detail the meanings of the verses 2:142 & 2:143 &2:144 in the above lines. The central theme of these verses is 'Appointment of Qibla' for Islam, and a review of its criticism by the People of the Book. In this regard, I have some questions to know. Firstly; Is this theme incorrect? Secondly; could anyone explain what is the relation of above rendering (by the critic) with this theme? And, thirdly; What is the bearing of these verses upon the practical life of Muslims in this world? Quran guide us in this life, which ultimately takes us to life in the hereafter. Therefore, it would be wrong to say that "This whole issue is concerning hereafter."

Next, while giving his comments on Pervez's translation of v. 2:143 he says:

"Not only is such a rendering grammatically impossible, but,

Especially in the post 9/11 world, is also highly misleading in the sense that it is clearly attempting to provide a Qur'anic basis to the religious fanatics to impose a divine duty of "universal sheriffs" on themselves and be armed to the teeth and right there on the spot to fight and kill whom and where they please. If America does exactly that today under the idea of a "New World Order," our condemnations never cease for obvious reasons. But may I ask the "students of Pervez" that why have they not condemned this rendering of Pervez for precisely the same reasons?"

MY COMMENTS:

We have said above that the basic problem with Pervez's critics is that they do not read his original literature. It seems that the above critic has done the same mistake. His review does not present the true view of Pervez's thoughts. His own rendering of v. 2:143 above shows that he has superficial knowledge of Quran's literary style, expression and objectivity. He talks about Arabic grammar but did not tell us how his rendering is correct grammatically and Pervez's is wrong? Almost all the scholars, irrespective of their differences, have understood similarly (as Pervez) the meaning of *Ummat-tun-Wasata & Shuhada-aln-Nas* i.e. A people justly balanced and Witnesses over the Nations. But our learned critic thinks differently. The central theme of Quran is to establish the supremacy of *Muslim Ummah* in the world [9:33]; to increase their power and vision [38:45] and to enable them to discharge their responsibilities as a best nation [3:110].

As noted earlier, *Wasata & Shaheed* are two comprehensive terms. We cannot appreciate the beauty of character of *Ummat-e-Wasta* and a *Shaheed* unless we study them in the light of Quran. Also, we have explained earlier, that what we are taught in the name of Islam that has very little from Quran. Most of it consists of stories recorded three hundred years after the death of the prophet through unreliable system of verbal transmission. When we talk about *Ummat-e-Wasata* and *Shaheed,* in fact,

we talk about those who are following these stories. We cannot think of those who had followed Quran because we never saw them. We know *Shaheed* like Saddam, Khomieni, Mullah Umar, Usama bin Laden and *Ummat-e-Wasata* like Talibaan. That is why we are dreadful and are not willing to accept them for an international role. If we had Quranic concept of *Ummat-e-Wasata & Shaheed* we would have been not embarrassed by what Pervez said about them.

I did my best to explain as precisely as possible, the Quranic insight of Pervez in verse 2:143. I hope, it may have straightened some of the 'twists & distortions' that had embarrassed our learned critic. Now, we will review his second example as follow:

***EXAMPLE 2: THE CRIMINAL PUNISHMENTS PRESCRIBED BY THE QUR'AN:**

- Verses 5:38—40; A Literal (and grammatically accurate) rendering:

«As for the thief, male and female, cut off their hands [faqta`u aydeyahuma] as a recompense for what they have piled up——a chastisement from God; God is sublime, wise. But if anyone repent after his wrong-doing [tâbâ min ba`d-i zulmihi] and set things right, God will repent towards him (?!) [fa in-Allâha yatûbû `alihi]; God is forgiving, compassionate. Don't you know that to God belongs the sovereignty of the heavens and the earth? He punishes whom He wills and pardons whom He wills——God, over everything, has power.»

MY COMMENTS:

It is called a literal and grammatically correct rendering. This we will see later but with a little thinking we can say that it is far away from the spirit of Quran.

The greatest attribute of God repeated frequently in the Quran, is His Mercy and Beneficence. In other words, while executing God's commandments His mercy and beneficence should take priority over the punishment. Quran teaches that the best way to uproot evils from the society is **to replace them with good things [11:11]** and *Momineen* are those **who turn off evil with good [13:22].** It becomes clear that, in respect of crimes, Quran emphasizes reformation rather than punishments. Accordingly, society should be reformed in a manner that no one even thinks of crime.

With this objective in mind, we will see what could be the best interpretation of v. 5:41-43. We have seen that God wants to establish peace and justice not by the use of brute force but through the process of gradual reformation and development of human potential. Now, we will examine the adequacy and competence of Arabic in the

interpretation of Divine Law. In this respect, the important key words that are often misunderstood are explained as follow;

'Qataah' – root meaning is: 'to cut something' but its use extend to all material and non-material objects. For example, in verse 59:5 it is used to cut palm trees. In verse 6:45 it is used for cutting off last remnant of wrongdoers. Former verse used it literally whereas later verse used it figuratively. Similarly, *'Qataah-us-sabeel'* is 'to intercept the way' (human progeny) [29:29]; '*Qataah amer Allah'* is 'to go against God's command' [2:27]; *'Qataah-e-Wadee'* is 'to cut across a valley' [9:121]; *'Qataah-e-Arham*' is 'to break ties of kith and kin' [47:22]; '*Qataah al Ardh*' is 'to split the earth asunder' [13:31]; '*Qataah-e-Thiab*' is 'to become schizophrenic' [22:19]; etc. These varieties of uses tell us that the meaning of *Qataah* is determined by the conjoining word and the context in which these are used.

'Yadd'- root meaning is: 'Hand' but like *'Qataah'* it is used in a variety of meanings. For example; to wound; to do a favor; to be generous; to handle; power; authority; control; influence; personal possession; skill; achievement; embarrassed; bewildered; and many more uses. In Quran its meaning is determined by the conjoining word and through *tasreef-e-ayat.* For example, in *'Qataahna Aidiahunna*' (those women cut their hands) *Qataah* does not mean 'to chop off' and *Yadd* does not mean 'whole hand'. Here, both words are used figuratively. So, the correct interpretation of verse 12:31 is: **'those women (in amazement) wounded their fingers.'** This meaning is in accordance with the context of verse and also supported in verse 12:50.

'Nakaal' – root meaning is: A chain; a shackle; a heavy fetter for the feet; or any thing that confine the movement. In verse 73:12 it is said; *'Inna Ladaina Ankalan wa Jaheema'* – **'with us are Fetters (to bind them) and a Fire (to burn them)'.** Other meanings are: To make an example through severe punishment – *'Fa akhaza-ul-laho Nakaal-al-Akhira-wal-uola'* [79:25]. Also see v 2:66. In verse 4:84 it is used: 'To restrain the fury of enemy with full might and punishment.' These examples clarify the concept of *'Nakaal'.* It is used to stop someone from doing wrong either by force or through wisdom.

In the light of these root meanings we will see how Pervez has understood v. 5:38-40? Pervez wrote in Urdu. The best way to comment on his thoughts is to read his books in Urdu. Translation of his books in other languages does not present true view of his insight and thoughts. Therefore, translation of his books should be read carefully. Translation of verse 5:38-40 is given as follow:

"Besides, rebellion and mischief in the land, theft is the other biggest crime which disturbs peace and tranquility in the society. As for the nature of this crime is concerned there is no difference between male and female thief. Therefore, both should receive equal punishment. For this purpose, in accordance with divine law,

such measures should be taken that stop the thief from committing theft and also prove as deterrents for others. In other words, these measures should be curative for the culprit and preventive for others. However, it should be kept under watch. If this crime, despite of all measures is compounding in the society and becoming incurable then its extreme punishment is chopping of hand. The objective is to combat this crime and maintain law and order in the society. It can be achieved either by the use of brute force and harsh punishment or through making intelligent choices and taking wise steps. The divine attribute *Azeez-un- Hakeem* (end words of verse 5:38) imports both meanings - power and wisdom." [5:38]

"As the objective is to uproot the crime, therefore, if the thief repent after his crime and amend his conduct he can be pardoned as per divine law. Such a person will remain safe from punishment and will not be debarred of social welfare benefits in the Islamic State." [5:39]

Remember! God does not punish the criminals to strike terror in the hearts of people of His Authority and Power. The whole universe, which function under His Laws perfectly, is a living display of His exalted authority and power. The purpose of Penal Code is to punish the criminal if he does not repent on his wrongdoing and to protect the one who ensure to become a peaceful citizen. According to divine law (both in the outer universe and within the civil society) every action produces results as per set rules and God has full control over them." [5:40].

In this translation, we have seen that Pervez has taken both literal and figurative meaning of *Qataah yad.* We have also seen his views about harsh punishments. He supports harsh punishments provided these are executed with wisdom. As regard to modernism, it is, too, nothing more than a naked blame. In fact, his point of view is no different than the orthodox except that he has simply amplified the concept of punishments in Quran and argued for its intelligent rather than blind application. The philosophy of Quran about the control of crimes in the society is unique in many aspects. Quran's primary emphasis is on reformation rather than punishments. Accordingly, in Penal Code of Quran forgiveness supersede the punishment [4:110]. Even, punishments are considered not curative but preventive only. Quran creates a society and social culture in which only virtuous deeds and noble thoughts could flourish. It is by them that we keep away everything that is evil. It says: *'inn-al-Hasanat-e-yuzhibn-us-Siyyat*'- '**Verily, those things that are good remove those that are evil [11:114]'.** Also, harshness and severity in punishments depend upon the nature and degree of the crime [42:40]. In this regard, the Quranic principle is: 'A harm equivalent to the harm done' or simply 'Tit for Tat' [42:40 & 2:194].

The objective is to take efficient measures for the reformation of culprit or his reconciliation. Islamic State can take measures to prevent repetition of a crime, either

by physical or moral means. However, Quran gives preference to moral means. Quran condemns those who are not kind and considerate. And, if anyone comes within their jurisdiction they put a strong hand like ruthless despots [26:130]. A close look into the philosophy of Quran regarding crimes control reveals that the physical means (punishments) are generally symbolic whereas the moral means (forgiveness) are always held exemplary [see verse 12:92 & 5:48].

Pervez lived a meticulous life. He never sought worldly gains or pretended dogmatic authority or asserted infallibility for which reason he may be blamed for dishonesty, or twists and distortion in the Quranic text. But what you will say about the following comments? Is it a fair, honest and intelligent review of Pervez's Thoughts?

COMMENT: I don't think it needs to be said that one can't possibly do any amount of twist to the phrase "Qata` Yad" to change it to: "Restrictions on them which render them incapable of committing such crime"——assuming that the person be honest…

Pervez sahib has violated the rules of grammar (i.e., if such a 'manifest dishonesty' may be called 'violation of the rules of grammar') to justify his *pre-conceived notion* that his "Islamic State" couldn't possibly have prescribed such a strict punishment for the crime in question. But this isn't what the Qur'an is saying...

No doubt, I'm compelled to say (with apologies to the die-hard "students" of Pervez) that this rendering is a perfect model of the ridiculous kind of work that some people have done under the disguise of "Modernism."

MY COMMENTS

I am a humble student of Pervez. I came across his literature four years later after his death in 1985. I studied him objectively without any foreign influence. I can't say whether he is right or wrong but with out doubt, I found him thoroughly honest and intelligent scholar of Quran. Whatever he understood from this great Book, he said that in appropriate words without twists and distortions. Accordingly, I am sure any one who studied him with open mind will never agree with the above comments. It would be a great dishonesty itself to call Pervez a dishonest scholar.

Now, we come to third example noted as follow:

EXAMPLE 3: THE QUR'ANIC MORAL REFORMS:

In two places (i.e., 16:58—59 and 81:8—9) the Qur'an tells us that (in some places) the pre-Islamic Arabs used to bury their female babies alive. It was indeed a great (and perhaps the only) major social reformation, which may be accredited to Islam, that it abolished this heinous practice in the society in which it emerged.

In fact the second set of the verses, mentioned above, alludes to this

Practice in such a forceful manner, in the context of the description of the Hereafter, that it brings tears to the eyes of the reader or listener:

MY COMMENTS:

"Tears to the eyes" - this is what Muslims get from the study of Quran and they are content with it. Any rendering or interpretation, which does not bring tears to the eyes of the reader, regardless of its scholarship, is considered garbage. It may not be thoughtful but if it brings tears to the eyes of the reader it is highly recommended by them.

Quran is not a pathetic sermon meant to shed tears or to elevate spirits. It is guidance for the mankind. It provides practical solutions to gigantic problems facing mankind. It is sent down so that human beings can use intellect rightly [12:2]. Unfortunately, Muslims have lost these objectives in the dust of history. The maximum benefits they could derive from this great Book include a couple of aimless rituals and stories, which they read only to shed tears or elate. They do not pay attention to find out whether this Book has got any cure for chronic diseases of mankind such as social injustices and economical exploitations. Consequently, instead of becoming savior of mankind they became victim themselves.

Pervez has studied Quran in the light of these objectives. He tried to find out what guidance Quran offers to these problems in the contemporary world. As said earlier, Quran by virtue of vastness of the Divine Intellect and inventiveness of the Arabic has the capability to meet out the challenges facing mankind in every era. Its laws, principles and value system are permanent, immutable and provide effective and satisfactory solutions to every problem facing mankind.

The verses under consideration (v. 16:58-59 & 81:8-9) basically deal with a centuries old problem of humiliation of female gender at the hands of male gender. It is not limited to a particular people or circumstances. Its mention in Quran with reference to Pagan Arabs is meant to draw attention to the most heinous and dark aspect of this problem. Some of the Pagan Arab tribes believed that the angels are daughters of God. However, for themselves they hated to have daughters. They practiced female infanticide. In their state of perpetual war sons were a source of strength to them; daughters only made them subject to humiliating raids. Therefore, they considered daughters a sign of shame and ignominy to themselves. Female children used to be buried alive by them.

Quran condemned this practice in scathing terms.

But this is not the whole truth. Suffering and contempt for female gender is perpetuating till now. It did not finish with the abolition of infanticide rather it has changed its form. Now, they may not be buried alive under the heap of soil but

certainly they are put under such burdens, which are much heavier than the heap of soil. They are put under the burden of ignorance, social injustices, sexual harassments, and family honor. Due to these burdens they cannot enjoy some of their most precious basic rights such as equality, liberty, dignity and choice. They may not be in the graves but they have worst life within the four walls of house *(chadder and char diwaree).* They live under tight restrictions, which have retarded their mental growth and development.

The above noted verses should be studied in the context of current problems and circumstances facing the female gender. Presently, no one practices female infanticide. Even among the Pagan Arabs some tribes practiced it. It was not widespread. But humiliation of female gender was as common as it is today. These verses refer to all sorts of humiliations suffered by the women folk.

Mauoodah and Qutelat are two key terms in verse 81:8-9. These terms are comprehensive and used in a variety of contexts. Basically, *Mauoodah* means: 'a she camel walking slowly under heavy burden on her back'. Later on, this meaning was also applied to girls buried alive under tones of soil (a semblance to overload and heavy burdens). Similarly, *Qutelat* when used figuratively, it doesn't mean killing. For example verse 9:30: ***'Qala-tel-Yahoodu Uzair ubn-Allahe*...The Jews call 'Uzair a son of God... '*Qaatala-hum-Allah-ho unna yufakoon*.......God's curse be upon them: how they are deluded away from the Truth.** Here, in this verse *Qatal* is used 'to curse' (deprive) someone.

Now, having this vocabulary at command and knowing the miserable conditions of women folk in almost every society (the burdens they are subjected to; the shackles they are chained in; the contempt they suffered from;), if a scholar understand and interpret v. 81:8-9 to advocate women rights: could we call his efforts a shame?

I think it would be a great injustice to the scholarship and a severe blow to the universality of Quran if we say yes to this question. But what you will say about the following comments:

It's indeed a shame that Pervez sacrificed all this powerful Qur'anic rhetoric for some Western women's right. There's no doubt he resulted in depicting those girls as bold (in the Western sense) and unladylike by making THEM ASK the question themselves, which the Qur'an had asked them by the speech of a third person (God?), thereby emphasizing on their innocence.

Now, do you REALLY think that the above evidence (and MUCH, much more) can so simply be multiplied to a zero and rather I just "have a grudge against Pervez"...???

MY COMMENTS:

Dear sir; I leave it to the readers to decide whether Pervez's efforts could be multiplied to a zero or you have a grudge against him. I have done my job. I have tried my best to show other side of the picture as clearly as possible. I am a believer. I sincerely believe that God will not hold us responsible for the sins of others. Therefore, as a student and follower of Quran I am not allowed to blame others without proof. We will wait and see. If Pervez is false, he will perish because falsehood, by its nature, is bound to perish. And, the Truth will prevail very soon [17:81].

Wa ma a'laina illal balagh

==============================

Voice of Youth

Heart of Kashmir

By
Saima Hameed
(Student at Cambridge University, U.K.)

====================

The State of Jammu and Kashmir has been declared one of the oldest unresolved conflict of this era. With India and Pakistan having waged three wars over the state, the situation continues to remain 'an issue'. In the midst of this, The Cambridge University Kashmir Society organized a seminar on the 14th of November 2003. The talk ' The Heart of Kashmir' was delivered by Kash Gabrielle Torsello and attended by nearly a hundred students. A photojournalist by profession, Kash highlighted some of the real life scenarios and events taking place in the Indian State of Jammu and Kashmir and offered political reasons behind the scenario.

In 1994, while he was visiting the state of Tamil Nado, he decided to explore the reasons behind the conflict in the state of Jammu and Kashmir; hence, he decided to travel there; this despite the fact that a lot of people persuaded him not to. Moreover, he was made aware that his life was at risk. They said, 'terrorists don't like photo journalists' and hence he must not visit Sirinagar.

Before showing us a movie of his photography, Kash explained to the students that people of the state of Jammu and Kashmir were not able to express their own opinion, there were extra-judicial killings, and women were raped. Most families had suffered from the loss of a loved one and 'an ambulance could not drive during curfew hours' and he brought forward the point that 'children lost their family'. The tape displayed Kash's ability to take these moving but real life pictures – he took them as though he was invisible to those around him and he took them because he wanted international attention to be given to these unfortunate but recurring events.

The tape containing photographs of the region was played and a heartbreaking series of photographs shown; it showed how a person 'was battered to death when he went out at a time of curfew and how on his body there were signs of abuse and torture. A young boy was crying helplessly while those surrounding him were left shocked; this is one of the chronic events in the everyday lives of these families in Kashmir. The tape pronounced a statement by the UK Foreign and Commonwealth Office, which urged India to respect human rights and open its boundaries to 'International Human Rights Observers' and 'UN Security Mission'. At the same time, it stressed for the need for the people of Kashmir to be 'in any dialogue between India and Pakistan' –

further their report stressed the need to 'curb all external support for violence in Kashmir'.

Kash in an attempt to explain the history of the situation put forth that the situation over the years had gone worse for the people of Kashmir. Initially Kashmiris were allowed to organize peaceful demonstrations in protest to the 'occupation' of their land and the military regime. These consisted of Muslims, Sikhs and Buddhists and other segments of society. But these protests to live in their 'own' country lead to killings of ordinary civilians – people were killed because of their 'just demonstrations' he said. Tens of thousands of people have been killed and the situation became so unbearable that in 1989 Kashmiris started to fight to protect their own families. In response the military regime in India closed the region to 'International observers and Human Rights organizations'. These have visited the region only in cover and have reported over sixty interrogation centers in Srinagar where 'Kashmiris get tortured for no reason', as Kash put it.

Illustrating the majority's authority, Kash shed light to the fact that soldiers routinely visited Kashmiri houses and added, 'If physical torture was not enough, women were raped in front of the eyes of their own children'. Moreover, more than five people cannot gather together in a public place.

Later answering a question, Kash informed us that during the time of Independence, Hyderabad, a majority Hindu province with a sizeable Muslim minority had a Muslim ruler. While the ruler wanted to side with Pakistan, the people wanted to remain with India; the Indian army intervened and Hyderabad went to India. In the case of Kashmir, the ruler was a Hindu Maharaja who '**went against** the wishes of his people in siding with India'. The first Prime Minister of India in a statement to the United Nations assembly in 1948 assured the assembly that India would hold a plebiscite in the region and let the Kashmiri people decide their fate. In reminder, Pakistan insists that a plebiscite should be carried in the region, empowering the people and giving them a choice and self-determination in siding with either India or Pakistan. Historically however, it has not pushed for or recognized Independence of the State. Kash also informed us that there had been over twelve UN resolutions on Kashmir that authorized the people of Kashmir to join either India or Pakistan and hence decide their own future. Unfortunately, though, these resolutions appear pretty only on paper. Both Pakistan and India have been fighting for Kashmir but whilst Pakistan has been pushing for UN resolutions, India will not accept a UN resolution or any other intervention in any form to resolve the situation in any form. Owing to the fact that the international community does not want to upset the two countries, ' the situation has been left to its own devices'.

In response, the people have to deal with a military occupation of 600,000 Indian soldiers in their land. The 'eye to an eye' situation is not helped by another 400, 000

on the Pakistan side of Kashmir. The situation exacerbated to such an extent that in around the year two thousand Clinton said, ‘ Kashmir is one of the most dangerous places on earth’. Kash reminded the audience of students that both countries possessed nuclear weapons and any risks of war in the region will not only affect it, but also the entire world!

India and Pakistan may have peace talks and Kash elicited that they had been talking regarding resuming business etc. but simultaneously the situation at the border is less than marginally different. Anti mine personal bombs at the border of the region can blow up soldiers anytime. Whilst some weary soldiers have withdrawn and have shared their work with human rights organizations, this is indeed a commendable development.

Kash has visited both sides of Kashmir across the line of control. However, whilst he received a visa in the year 2001 from the Pakistan government, the Indian government refused to grant him it and he has been unable to visit the region again. Nevertheless, Kash has documented his research and photography, organized exhibitions, attended talks and this he feels is the way forward!

He mentioned that Victoria Schofield’s book on Kashmir was a must read on the conflict. Moreover a US delegation has recently pushed for open talks between the concerned parties in the region. All the students found the talk highly enlightening and Kash’s ability to take photographs intriguing. We hope that other individuals like Kash will rise to the challenge that Kash has taken and continue to uncover the truth, and depict reality just as it is, wherever they may be!

==========

LETTERS TO TAHIRA IN BANGALI

TRANSLATOR'S NOTE

After a long time I had the opportunity to translate an Urdu book into Bengali. This book "Tahira Kay Naam Khatoot Ka Mazmuyah" is published by Tolu-e-Islam of Lahore. The book was written by the well renowned scholar Chaudhry Ghulam Ahmad Parwez in 50th decade of the 20th Century. The purpose of the book is to explain the Islamic concepts and beliefs.

Although the West has severely criticised women's rights in Islam, there is no doubt that Islam has given proper rights to women. The book "Letters to Tahira" discusses the various issues faced by women and Islam's outlook on those issues. The contents of any book, however, will reflect the authors views regarding the issues discussed. This book is no exception.

Therefore, if the reader has questions on some issues, they should be taken as personal view points of the author. Trying to translate the whole book was not an easy task although my initial reaction on the partial reading of the book was otherwise. The translation, though delayed, has been completed according to the wishes of the publisher. For this I thank Allah.

As far as possible, I have tried to keep in with the original work. And yet in translating one language into another, it is difficult to be 100% accurate as every language has its own rules and demands.

The English version of the book came out in 1999. Besides between1957 and 1999 seven Urdu editions were published.

Finally, I will consider my efforts worthwhile if the book earns the pleasure of the reader.

Allah Hafez.

Sirajul Haque, House no 239/B, 19 (old) West Dhanmondi, Dhaka - 1209

TRANSLATION ON THE BACK COVER

Human beings are Allah's best creation. Man and Woman together form Mankind,. together they make family and society. In human society both have equal responsibilities and duties, as well as rights. Allah has laid down these responsibilities, duties and rights. When human beings, men or women, do not obey Allah's guidance and resort to their own ways, chaos develop and society breaks down. Hence, men and women need to conduct their lives according to Allah' guidance, not otherwise.

The society which grows with individual responsibilities and duties fulfilled, loving and good relationship develops, to which there are no equals This is the goal of human society, being the best creation of Allah. The author of this

book, “Letters to Tahira” has tried to explain Allah's guidance in the same light but in a way which is different and sometimes allegorical.

Tahira represents socially- neglected womankind. We believe that the book will enlighten its readers.

ACKNOWLEDGEMENT

Tolu-e-Islam Trust is pleased to know that Mr A.N. MD Harun-ar-Rashid of Mohammadpur, Dhaka, Bangladesh has undertaken the responsibility to arrange translation of “Tahira Kay Naam Khatoot” by Ghulam Ahmad Parwez into Bengali language.

The Trust has no objection on translation, printing and marketing of the Bengali edition provided that acknowledgement is made in the preface that the Bengali translation is in no way a substitute of the original Urdu Book, and that the translator is responsible for any variation or inference drawn from the translation.

==========

Letters to Tahera, written by Chaudhry Ghulam Ahmad Parwez, Translated into Bengali by Prof. Sirajul Haque.

Published by A.N.Md. Harun-al-Rashid, printed by Chawkash printers Ltd.
131 D.I.T Ext Road, Dhaka-1000
Price: TK 150, US$ 5

==========